نور الحبیب ۲۰۰۸

جلد 6

سیدنا غوث الاعظم دستگیرؓ

Scanned with CamScanner

در مدح حضرت شیخ
سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

حضرت صاحبزادہ پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی کا غیر مطبوعہ کلام

حق ادا و حق نما بغداد کی سرکار ہے
کیا تجھے بتلاؤں، کیا بغداد کی سرکار ہے

مرجعِ اہلِ صفا بغداد کی سرکار ہے
سربراہِ اولیا بغداد کی سرکار ہے

اتباعِ اسوۂ خیر الوریٰ میں عمر بھر
پیکرِ خوفِ خدا بغداد کی سرکار ہے

جس کی حق گوئی سے اہلِ شرک وبدعت کانپ اٹھے
ترجماں توحید کا بغداد کی سرکار ہے

میری تیری حمد میں حرص وغرض بھی ہے شریک
لائقِ حمدِ خدا بغداد کی سرکار ہے

قاضی الحاجات کے در پر رہا جو سجدہ ریز
عجز کی وہ انتہا بغداد کی سرکار ہے

شب کی تاریکی میں تنہا دست بستہ اشک بار
حاضرِ بابِ عطا بغداد کی سرکار ہے

دن کو مصروفِ عبادت شام کو سرگرمِ ذکر
شب کو محوِ التجا بغداد کی سرکار ہے

اولیا کے ساتھ اطلاقِ ولایت میں شریک
شان میں سب سے جدا بغداد کی سرکار ہے

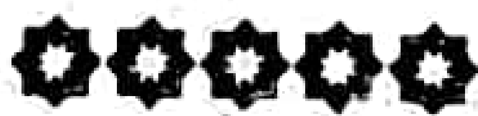
علم وحکمت میں علی مولیٰ کا سجادہ نشیں
راز دارِ ھَلْ اَتٰی بغداد کی سرکار ہے

کیا نبوت کے جہانوں میں ہے ذاتِ مصطفیٰ
فقر کی دنیا میں کیا بغداد کی سرکار ہے

Scanned with CamScanner

قدرتیں پائیں مگر قدرت پہ اترایا نہیں — شرحِ تسلیم و رضا بغداد کی سرکار ہے
ہاتھ اٹھتے تھے مگر مولیٰ کی مرضی دیکھ کر — واقفِ سرِّ دعا بغداد کی سرکار ہے
دین کو کس نے کیا زندہ، جب اٹھا یہ سوال — کہہ اٹھی خلقِ خدا بغداد کی سرکار ہے
ذاتِ باقی پر مٹا کر اپنی فانی ذات کو — دہر میں نقشِ بقا بغداد کی سرکار ہے
منبعِ حب نبی سرچشمۂ مہرِ علی — وارثِ آلِ عبا بغداد کی سرکار ہے
انبیا کو ناز جس پر، اولیا کو جس پہ فخر — صاحبِ بختِ رسا بغداد کی سرکار ہے
جس کے ہاتھوں پر ہوئیں ظاہر کراماتِ کثیر — حیرتوں کی انتہا بغداد کی سرکار ہے
عقلِ ظاہر جس کی چوکھٹ پر رگڑتی ہے جبیں — ایسی قدرت آزما بغداد کی سرکار ہے
عبدِ قادر ہے مگر قادر نے وہ بخشا مقام — مرکزِ رشد و ہدیٰ بغداد کی سرکار ہے
آج بھی پاتے ہیں اربابِ طلب در پردہ فیض — کیا عطا کا سلسلا بغداد کی سرکار ہے
جس کی صورت دیکھنے سے یاد آ جائے خدا — ایسا عبدِ حق نما بغداد کی سرکار ہے
اونچے اونچوں نے سر آنکھوں پر لیا جس کا قدم — وہ انوکھا پیشوا بغداد کی سرکار ہے
جو خدا کا نام لے کر شرک سے ٹکرا گئے — کربلا والے ہیں، یا بغداد کی سرکار ہے
پیر تیرا کون ہے، محشر میں جب پوچھا گیا — میں نے برجستہ کہا، بغداد کی سرکار ہے
نقشبندی سہروردی ہوں کہ چشتی سب کے سب — مقتدی ہیں، مقتدیٰ بغداد کی سرکار ہے
وعظ فرماتا رہا منبر پہ جو چالیس سال — وہ خطیبِ حق نوا بغداد کی سرکار ہے
بر سرِ منبر تکلم سن کے بول اٹھتے عرب — ہیں علی، یا لب کشا بغداد کی سرکار ہے
چاہنے والوں کے دل میں آنکھ میں ادراک میں — جلوہ فرما جا بجا بغداد کی سرکار ہے
دل نے پوچھا کون ہے ولیوں سے رتبے میں بڑا — غیب سے آئی ندا، بغداد کی سرکار ہے

کیا بگاڑے گی ترا، سر مار لے دنیا نصیر
پشت پر تیری سدا بغداد کی سرکار ہے



آپ کی منظوری کے بغیر کسی کو مقامِ ولایت پر فائز نہیں کیا جاتا

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

جی اے حق محمد

سیدنا و مرشدنا و مولانا محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، عالمِ اسلام کی وہ عظیم ترین شخصیت ہیں، جن کو ''پیرانِ پیر''، ''دست گیر''، ''گیارھویں والے پیر'' اور ''غوثِ اعظم'' کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مہرِ ولایت عطا فرمائی ہے اور آپ کی منظوری کے بغیر کسی کو مقامِ ولایت پر فائز نہیں کیا جاتا۔

ولادت

آپ حسنی حسینی سید ہیں، آپ کی ولادت ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے قبل ہی عالمِ اسلام پر بدنصیبی کے بادل منڈلانا شروع ہو گئے تھے۔ امراء کی عیاشی اور بدکرداری کی زہریلی ہوائیں اسلام کے سبزہ زار کو پژمردہ کرنے لگی تھیں، بغداد کی خلافتِ اسلامیہ بوڑھے اور بیمار شیر کی طرح اندرونی طاقت سے خالی، محض ظاہری اور نام کی ہیبت پر قائم تھی۔ اندلس میں امیر عبد الرحمٰن کی بنائی ہوئی

اسلامی حکومت کمزور ہو چکی تھی اور مصر میں باطنیوں کی سلطنت پوری قوت سے لادینیت کا پرچار کر رہی تھی۔ ایک طرف عالمی سیاست کا تیز دھار خنجر اپنا رُخ بدل کر مسلمانوں کے سینے پر نوک رکھے ہوئے تھا، بیت المقدس پر قبضے کے بعد مسیحی دنیا، حجازِ مقدس اور عراق پر دھاوا بول دینے کے عزائم رکھتی تھی، دوسری طرف عالم اسلام کئی فرقوں میں بٹ کر تباہی کی طرف گامزن تھا۔ روزانہ کئی مشائخ اور علماء، فرقہ باطنیہ کی سازشوں کا شکار ہو کر قتل کر دیے جاتے تھے۔

سیدِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے فرمایا تھا:

''پانچویں صدی کے قریب میری امت پر آفت کی ایک چکی چلے گی، اگر اس سے یہ امت بچ نکلی تو پھر کچھ مدت کے لیے استقامت حاصل کر لے گی''---

[فیض الباری، تعلیقاتِ بخاری، مولانا محمد انور شاہ کاشمیری]

یہی وہ وقت تھا کہ آفت کی چکی حرکت میں آ چکی تھی۔ یقیناً ایسے پر آشوب حالات میں ایسی ہستی کی ضرورت تھی، جو سارے عالمِ اسلام کی دست گیری کر کے ملتِ اسلامیہ کو اس آفت کی چکی سے محفوظ کر دے۔

حضرت سیدنا غوثِ اعظم ﷺ ابھی کم عمر تھے کہ آپ کے والدِ گرامی اور نانا بزرگ وار (علیہما الرحمۃ والرضوان) کا انتقال ہو گیا، اس لیے آپ کی سرپرستی اور تربیت کی ساری ذمہ داری آپ کی والدہ ماجدہ علیہا الرحمہ کے سر پر آ گئی اور انھوں نے اس ذمہ کو اسی طرح نبھایا، جس طرح آپ جیسی عظیم شخصیت کی والدہ کے شایانِ شان تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے اپنی والدہ مکرمہ سے اجازت لے کر ایک قافلے کے ہمراہ بغداد روانہ ہوئے۔

حکومت اور تجارت کے علاوہ بغداد ہمیشہ علم وفن کا مرکز رہا۔ اس کے مشرقی حصے میں تیس مدارس تھے، جہاں ہمیشہ پچاس ہزار کے قریب طلبہ تعلیم پاتے تھے۔ منصور عباسی کے زمانے میں بصرہ وکوفہ کے علمی ادارے بھی یہیں منتقل ہو کر آ گئے تھے۔ مامون الرشید نے یونانی کتابوں کے عربی تراجم کرانے کا اہتمام کیا، تو سریانی اور یونانی زبانوں کے ماہرین فلاسفہ اور اطباء نے بھی بغداد کا رُخ کیا۔ بغداد میں کتابیں بیچنے کے لیے ایک علیحدہ بازار تھا۔ کاتب، جلد اور سیاہی بنانے والے ہزاروں کی تعداد میں یہاں دکانیں سجائے رہتے تھے اور کاغذ سازی کے کئی کارخانے قائم ہو چکے تھے۔

خلیفہ معتز باللہ کا زمانہ تھا کہ حضرت سیدنا غوث پاک ﷺ طالب علم کی حیثیت سے اس عظیم الشان شہر میں تشریف لائے اور مدرسہ نظامیہ میں داخل ہو گئے۔ اس عظیم ترین اسلامی یونی ورسٹی میں

حضرت ابوزکریا تبریزی ادب وتفسیر کے استاذ تھے، ابوالحسن محمد بن قاضی حنبلی، علی بن عقیل حنبلی اور شیخ محفوظ الکلوذانی فقہ واصول فقہ کے اساتذہ تھے۔ ابوالبرکات طلحہ، ابوالغنائم محمد بن علی میمون الفرسی، ابوعثمان اسمٰعیل الاصبہانی، ابوغالب محمد الباقلانی وغیرہم حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

آپ کی طالب علمی کا زمانہ تھا کہ بغداد میں شدید قحط پڑا، لوگ روٹی کے ایک ایک لقمے کو ترسنے لگے۔ آپ فرماتے ہیں:

ایسے عالم میں میں بھوک کی شدت سے نڈھال تھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، جس کے پاس روٹی اور بھنا ہوا گوشت تھا، میرا جی چاہتا تھا کہ مجھے بھی کچھ مل جائے، مگر میں نے اپنے آپ کو سخت ملامت کی اور اپنے ضمیر کو مخاطب کر کے کہا:

''اس قدر پست ہمت نہ بن اور بے صبری کا اظہار نہ کر، توکل اختیار کر''---

اس کے بعد میرا ضمیر مطمئن ہوگیا اور میں اس شخص کی طرف سے بے نیاز ہوگیا تو وہ شخص خود میری طرف متوجہ ہوا اور بہت اصرار کر کے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ یہاں گیلان کا عبدالقادر نامی طالب علم بھی ہے؟

آپ نے فرمایا: ''وہ میں ہی ہوں''---

یہ سن کر وہ شخص زار وقطار رونے لگا اور کہا:

مجھے معاف کر دینا، میں نے آپ کی امانت میں خیانت کی، کیوں کہ آپ کی والدہ کریمہ کو بغداد کے قحط کا پتہ چلا تو انھوں نے مجھے آٹھ دینار دیے کہ تم بغداد جا رہے، یہ رقم لیتے جاؤ اور میرے بیٹے کو دے دینا، مگر میں بغداد میں آیا، تو میرے پیسے ختم ہو گئے اور یہ کھانا جو ابھی ہم نے کھایا ہے، یہ میں نے آپ ہی کی رقم سے خریدا تھا، حالاں کہ یہ رقم آپ کی امانت تھی۔

آپ نے بغداد ہی میں ساری تعلیم پائی اور چوں کہ آپ کے اساتذہ فقہ میں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے مقلدین تھے، اس لیے آپ بھی فقہ حنبلی کی تقلید فرماتے تھے۔

محی الدین (دین کو زندہ کرنے والا)

آپ رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا:

''۵۱۱ھ میں جمعہ کے دن میں بغداد کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں ایک نہایت لاغر اور کمزور شخص مجھے ملا، اس نے کہا: ''السلام علیک یا عبد القادر!'' میں نے

سلام کا جواب دیا، وہ کہنے لگا: ''مجھے اٹھاؤ''۔ میں نے اس کو اٹھا کر بٹھایا، تو اچانک اس کا چہرہ بارونق اور اس کا جسم توانا ہو گیا۔ اس پر میں حیران ہوا، تو وہ شخص کہنے لگا:

''میں آپ کے جد پاک ﷺ کا دین ہوں، جو مردہ ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے، آپ ''محی الدین'' ہیں''۔

چناں چہ جب میں جامع مسجد کی حدود میں داخل ہوا، تو ایک شخص نے مجھے ''یا سیدی محی الدین'' کے الفاظ سے مخاطب کیا، نمازِ جمعہ کے بعد لوگ دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور ''یا محی الدین''، ''یا محی الدین'' پکارتے ہوئے میرے ہاتھوں کو بوسے دینے لگے''۔۔۔

آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ تقریباً ہفتے میں تین بار مجلسِ وعظ منعقد فرماتے تھے۔ آپ کا وعظ سن کر لوگوں پر وجدانی کیفیتیں طاری ہو جایا کرتی تھیں، بعض لوگ اپنے گریبان چاک کر لیتے تھے، بعض لوگ بے ہوش ہو جاتے تھے اور کئی مرتبہ لوگ بحالتِ بے ہوشی واصل بحق ہو گئے۔

آپ کی مجالس میں رجال الغیب، جنات، ملائکہ حاضر ہوا کرتے تھے، آپ کے ہم عصر علماء و اولیاء یعنی حضرت شیخ عبدالرحمٰن طسفونجی اور شیخ عدی بن مسافر جیسے بلند پایہ حضرات اپنے اپنے شہروں میں اپنے شاگردوں کے ساتھ دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے اور نہ صرف حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مواعظ سنتے، بلکہ انھیں قلم بند بھی کرتے تھے اور جب بغداد میں حاضر ہوتے، تو ان تحریروں کا موازنہ بغداد شریف میں موجود تحریرات سے کرتے، تو دونوں میں کوئی اختلاف نہ پاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولیاء کا سردار بنایا اور ولایت کے اس بلند ترین مقام پر فائز فرمایا، جہاں اور کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ آپ کے در کی گدائی کیے بغیر کسی کو ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

آپ نے اکانوے برس کی عمر پائی اور ۵۶۲ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کی ولادت کی تاریخ لفظ ''عاشق'' اور زندگی مبارک لفظ ''کمال'' سے ظاہر ہوئی۔ اسی طرح سنِ وصال کا ظہور ''معشوقِ الٰہی'' کے الفاظ سے ہوا، یعنی آپ نے عشقِ الٰہی کی جوت جگائی، اس کے تمام تقاضے پورے کر کے اس میں کمال حاصل کیا اور اس کے ثمرات میں سے یہ مقام پایا کہ ''معشوقِ الٰہی'' کے تاج سے سرفراز ہوئے۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی ہیں۔ اس سلسلہ کے متوسلین، اولیائے کاملین نے اسلام اور اہلِ اسلام کی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد ہی میں

Scanned with CamScanner

مصر کی باطنیہ حکومت کا زوال شروع ہوا اور آپ کے وصال کے بعد ۵۶۷ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا اور سلطان نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے نیک سیرت حکمران برسرِ اقتدار آئے، ان ہی ایام میں غزنویوں کی تباہ شدہ سلطنت کی جگہ غوریوں نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیادیں استوار کیں، جس میں حضرت سیدنا غوث پاک ﷺ کے قریبی عزیز و فیض یافتہ حضرت سیدنا سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری ﷺ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں بالواسطہ یا بلا واسطہ فیض یافتہ اولیاء اللہ نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو زندہ کر دیا۔ پاکستان میں ملتان کو یہ شرف حاصل ہے کہ سیدنا غوث اعظم ﷺ کی اولاد میں سے حضرت موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہاں تشریف لائے اور آج بھی آپ کا روضۂ اقدس مرجع خلائق ہے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آباؤ واجداد بھی حضرت موسیٰ پاک شہید علیہ الرحمہ کے توسل سے سلسلہ عالیہ قادریہ سے منسلک تھے اور آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف، حضرت سیدنا غوث اعظم ﷺ کی بہترین نشانیوں میں سے ایک ہے کہ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ صرف یہ کہ نسباً قادری ہیں بلکہ آپ کے بزرگ اسی سلسلہ میں بیعت فرماتے تھے۔

تعلیمات

سیدنا غوثِ اعظم ﷺ وعظ و نصیحت کی محفلیں منعقد فرمایا کرتے تھے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء اور عوام شریک ہوتے۔ بیان و تقریر میں آپ قدرتِ کاملہ کے مظہر تھے۔

مؤرخہ ۳ رشوال ۵۴۵ھ، خانقاہ شریف میں آپ نے دورانِ خطاب فرمایا:

"صاحبو! اللہ کے ہو جاؤ، جیسا کہ وہ صلحاء اس کے ہو گئے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارا ہو جائے، جیسا کہ ان کا ہو گیا تھا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حق تعالیٰ تمہارا ہو جائے، تو اس کی اطاعت اور اس کے ساتھ صبر کرنے اور اس کے افعال پر جو تمہارے اور دوسروں کے اندر صادر ہوں، راضی ہونے میں مشغول ہو جاؤ۔ اللہ والے زاہد بن گئے تھے، جو کچھ دنیا ان کے مقسوم میں لکھی تھی، اس کو انھوں نے تقویٰ اور پرہیز گاری کے ہاتھ سے لیا۔ عزیز من! اوّل اپنے نفس کو نصیحت کر، اس کے بعد دوسرے کو نصیحت کرنا۔ افسوس! تجھ پر کہ خود تو ڈوب رہا ہے، بھلا دوسرے کو کیسے بچائے گا؟ بس اللہ کی طرف لوگوں کو وہی لا سکتا ہے، جو اللہ کو پہچان چکا ہو"---

۵ رشوال ۵۴۵ھ کو مدرسہ معمورہ میں محفل منعقد ہوئی، جس میں آپ نے فرمایا:

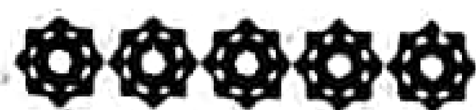
''اپنے پروردگار ﷻ کے ساتھ اپنے سروں کی حفاظت کرو، اس سے ڈرتے رہو، اس کی پکڑ سخت دردناک ہے، اس کی نعمتوں کو شکر گزاری کے ساتھ محفوظ رکھو۔ اس کے حکم اور نہی کا سننے اور ماننے کے ساتھ استقبال کرو، تنگ حالی کا مقابلہ صبر سے اور خوش حالی کا شکر سے کرو، جاگ اٹھو، بھلا کب تک سوتے رہو گے؟''---

آپ نے فرمایا:

''اے مسکین! ایسے امور میں بحث کرنا ترک کر دے، جو تجھ کو نفع نہ دیں اور مذہب کے بارے میں تعصب کو چھوڑ دے اور ایسے کام میں مشغول ہو، جو تجھ کو فائدہ دے۔ دنیا و آخرت میں عن قریب تجھ کو اپنا انجام نظر آ جائے گا اور میری باتوں کو یاد کرے گا۔ اپنے دل کو دنیا کے تفکرات سے خالی کر کہ تو عنقریب ان سے جدا کر لیا جائے گا۔ عنقریب تو گرفتار ہوا چاہتا ہے، تجھ کو پکڑے گا وہ کہ جس کی پکڑ سخت دردناک ہے۔ اس کی پکڑ کے مختلف طریقے ہیں، وہ تجھ کو اس طرح پکڑے گا کہ تجھ کو حکومت سے معزول کر دے گا، تجھ کو بیماری میں مبتلا کر دے گا، تجھ کو سرِ عام ذلیل کرا دے گا، تجھ کو فقیر محتاج بنا دے گا، تجھ پر طرح طرح کی سختیاں اور درد و الم مسلط کر دے گا۔ مخلوق کی زبانوں، ہاتھوں بلکہ ساری مخلوق کو تجھ پر مسلط کر دے گا''---

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

''عزیزِ من! میں تجھ کو دیکھتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷻ و ﷺ) کی معرفت تجھ کو حاصل نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی معرفت بھی تجھ کو حاصل نہیں ہے، تو معنی سے بالکل خالی ہے، تو خالی پنجرہ ہے اور ایسا درخت ہے، جو سوکھ چکا ہے اور اس کے پتے جھڑ چکے ہیں۔ تعظیم و تکریم و احترام کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول (ﷻ و ﷺ) اور اس کے نیکوکار بندوں کی صحبت اختیار کر''---



نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

غرق شدہ بارات کی بارہ سال بعد واپسی

صحافی محمد اصغر مجددی

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
یقین محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
ولایت ، پادشاہی ، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں ، فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

غوث الاغواث، سید الاسیاد، شیخ الملک و الجن و الانس علے الاطلاق، قطب الاقطاب، حضرت سیدنا غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی قدس اللہ سرہ النورانی نماز عصر کی ادائیگی کے بعد سیر وتفریح کے لیے اکثر و بیشتر مدرسہ نظامیہ سے باہر نکل جاتے تھے۔ خلفاء، مریدین اور عقیدت مند بھی آپ کے ہمرکاب ہوتے۔ آپ کی قیادت میں یہ نورانی، روحانی اور

ایمانی قافلہ جہاں سے بھی گزرتا نور بکھیرتا جاتا اور ہدایت بانٹتا جاتا۔ کئی راہ گیر حضرت پیر پیراں کے نورانی چہرے کو دیکھ کر ہی آپ پر دل وجان قربان کر دیتے اور ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں سے نکل کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتے۔ راہ چلتے ہوئے سر راہ جس جس پریشان حال، پائمال، پژمردہ و افسردہ اور غمزدہ و نڈھال شخص پر آپ کی نگاہ پڑ جاتی، اس کے بگڑے ہوئے مقدر جاگ اٹھتے۔ اس کی دنیا وآخرت سنور جاتی۔ دیکھنے والے ایسے شخص کے بخت سکندر پر رشک کرنے لگتے۔

آج اس قافلے کا رخ دریائے دجلہ کی جانب تھا، چلتے چلتے جب یہ قافلہ دریا کے کنارے تک پہنچا، خاور مشرق غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا، اس کی زرد زرد کرنوں نے ماحول میں ایک دل کشی پیدا کر دی تھی، ڈوبتے سورج کی کرنیں دریا کی لہروں پر قوس قزح کے رنگ بکھیر رہی تھیں، جس سے دریا کے حسن میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ گل واثمار اور درختوں کے گہرے ہوتے ہوئے سائے بھی زرد لباس پہن چکے تھے، منظر بہت سہانا اور خوبصورت ہو چکا تھا، دریا کے کنارے پر قافلے کے رکتے ہی سارا قافلہ منتشر ہو گیا، ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گیا، کوئی ٹہلنے لگا، کوئی بھاگنے دوڑنے لگا، کوئی ورزش کرنے لگا۔ حضرت پیران پیر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سب کو ان کے حال پر چھوڑ کر خود مشرق کی جانب منہ کر کے دریا کے کنارے پر آ کھڑے ہوئے اور ڈوبتے سورج کا نظارہ کرنے لگے۔ اس خوبصورت اور قدرت کے حسین نظارے کو دیکھ کر بے ساختہ آپ فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا ورد کرنے لگے۔ آپ اس نظارے میں پوری طرح محو تھے کہ اچانک ایک بوڑھی عورت کی آہ و بکا، گریہ وزاری اور دل دوز وکرب ناک چیخ وپکار سے صحراء اور ساحل دریا کا سکوت ٹوٹ گیا اور خوش گوار منظر پر وحشت اور اداسی چھا گئی اور یہ محسوس ہونے لگا کہ پورا ماحول غم زدہ والم ناک ہو گیا ہے۔

بڑھیا تھی کہ اس کا رونا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، بڑھیا کے آسمان تک بلند ہونے والے نالوں سے شجر وحجر اور وحشی جانوروں کا پتا پانی اور سینہ کباب ہوتا جا رہا تھا، بوڑھی عورت کی مسلسل بلند ہونے والی سسکیوں اور آہوں کو سن کر پیران پیر، پیر دستگیر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے، اس سلسلے میں آپ کی بے تابی اور بے قراری اس حد تک بڑھی کہ آپ بے ساختہ بڑھیا کی آواز کی جانب بڑھنے لگے، کچھ قدم چلنے کے بعد آپ نے یہ دل خراش منظر دیکھا کہ چند عورتیں سروں پر گھڑے اٹھائے پانی لینے کے لیے دریا پر آئیں اور اپنے اپنے گھڑے پانی سے بھر کر

گھروں کو لوٹ گئیں، مگر ایک نوے سالہ ضعیفہ نے اپنا گھڑا پانی سے بھر کر دریا کے کنارے پر رکھ دیا اور چادر منہ پر ڈال کر دیوانہ وار رونے لگی۔ بڑھیا کو اس اذیت میں مبتلا دیکھ کر آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ بڑھیا ماحول سے بے خبر آنکھیں بند کیے اور منہ پر چادر ڈال کر رونے میں مصروف رہی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر واپس آ گئے، وہ بڑھیا کا دکھ جاننا چاہتے تھے، آپ نے سیر و تفریح کے لیے ساتھ آنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کسی ظالم اور جابر شخص نے بڑھیا پر کوئی زبردست ظلم کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ بلک بلک کر رو رہی ہے اور سسک سسک کر جان کھو رہی ہے۔ معلوم نہیں بیچاری ضعیفہ کس بلا اور کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔ معلوم نہیں یہ کون ہے، کہاں کی رہنے والی ہے؟ جو کہ دیوانگی و خود فراموشی کی حالت میں مسلسل ماتم کناں ہے۔

آپ کی یہ تجسس بھری گفتگو سن کر قریب کھڑے ہوئے ایک واقف حال نے عرض کیا کہ حضور! میں بڑھیا کے حالات سے بخوبی آگاہ ہوں، اس بڑھیا کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، جو کہ خوبرو اور نوجوان تھا اور صورت و سیرت میں یکتا تھا، بڑھیا نے بیٹے کی شادی کی دھوم دھام سے تیاری کی اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ بارات دولہن کے گھر روانہ کی۔ جب دولہا عقد سے فارغ ہو کر دولہن اپنے گھر لے جانے کے لیے بارات کے ہمراہ کشتی پر سوار ہوا تو بدقسمتی سے کشتی کسی گہرے بھنور میں پھنس کر ڈوب گئی، کشتی کے ساتھ دولہا، دلہن اور ساری بارات بھی دریا میں غرق ہو گئی۔ اس سانحہ کو پیش آئے بارہ برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہے، لیکن یہ بڑھیا آج تک اس حادثے کو نہیں بھولی۔ اس کو اپنا دولہا بیٹا، دلہن بہو اور بارات میں شامل عزیز و اقارب کا انتظار ہے۔ گرمی سردی، بارش و آندھی اور موسمی تغیرات سے بے پروا ہو کر بڑھیا روزانہ دریا پر آتی ہے، اپنے پیاروں کا تھوڑی دیر انتظار کرتی ہے اور آہ بکا کرتے ہوئے گھر کو ناکام و نامراد لوٹ جاتی ہے۔ شہر کے لوگ بڑھیا کو دیوانی اور پاگل سمجھنے لگے ہیں، جو کہ آج بھی بارہ سال پہلے ڈوب کر مر جانے والوں کا انتظار کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ اس کا دریا میں ڈوب جانے والا بیٹا دولہن اور بارات کو ساتھ لے کر ایک نہ ایک دن صحیح سلامت گھر ضرور واپس آئے گا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ یہ باتیں سن رہے تھے، بڑھیا اس وقت بھی رو رہی تھی، اس کے رونے کی آواز کبھی مدھم اور کبھی بلند ہو جاتی تھی۔ سرچشمہ ولایت، شہنشاہ شریعت و طریقت، گنجینہ فیوض و برکات، مخزن سعادت و حسنات، رہبر کاملاں، دستگیر بے کساں، قطب عالم، قطب جہاں، غوث زمین و زماں، شہباز لامکانی، غوث صمدانی، سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ جوں جوں بڑھیا کے حالات اور اس کو

پیش آنے والے مصائب و آفات سے آگاہی حاصل فرما رہے تھے،توں توں آپ کا دریائے رحمت جوش میں آ رہا تھا۔ پورا واقعہ بغور سننے کے بعد روشن ضمیر پیر دستگیر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خادم کو بڑھیا کی جانب بھیجا اور اس کو فرمایا کہ بڑھیا کو ہماری جانب سے تسلی و تشفی دو اور اس کو کہو کہ وہ تھوڑا سا اور صبر کرے، اس کا مطلب بر آئے گا۔ یہ خوش خبری لے کر خادم بڑھیا کی جانب گیا، بڑھیا نے ساری بات سننے کے بعد خادم سے پوچھا، کس کا پیغام لے کر آئے ہو؟ خادم نے بڑھیا کو بتایا کہ پیر پیراں میر میراں شاہ جیلانی دستگیر بے کساں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا پیغام ہے۔ بڑھیا نے حضرت غوث اعظم کی شہرت سن رکھی تھی لیکن حالات کی ماری آپ کی چوکھٹ پر حاضری نہ دے سکی تھی، لیکن آج اس کے مقدر نے یاوری کی اور حضرت پیران پیر کی جانب سے اس کو تسلی کا مژدہ جانفزا ملا۔ یہ پیغام سن کر بڑھیا کے تن مردہ میں بجلیاں دوڑنے لگیں، وہ خوشی سے جھوم اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی سیدنا غوث اعظم کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ آپ نے اس کو دلاسہ دیا اور فرمایا کہ اب رونا دھونا موقوف کر دو، بڑھیا ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگی، یا غوث اعظم! میں نے اتنے کرب کی زندگی گزاری ہے کہ آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ بقول شاعر:

بیٹے کی یاد میں آنکھوں سے رواں آنسو ہیں
وصل کی آس ہے پر رکتے کہاں آنسو ہیں [ارشد ضمیر]

یا شہباز لامکانی غوث صمدانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ جس عورت کا بھرا بھرایا گھر اچانک اجڑ جائے، اس کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ جس کے اپنے پیارے عزیز و اقارب، بہو اور بیٹا اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں، اس کی زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ بقول شاعر:

ایک اک سانس تو پھر مثل سزا ہوتی ہے
جب کوئی ماں کسی بیٹے سے جدا ہوتی ہے [ارشد ضمیر]

یا پیر پیراں یا میر میراں آپ کے مقام غوثیت و قطبیت سے کونین کی ہر شے واقف ہیں، آپ کے در کی گدائی کاملین و واصلین کے لیے قابل فخر عمل ہے، آپ کی لب کشائی میں مشکل کشائی ہے، آپ کے دامن میں ساری خدائی ہے، یہی وجہ ہے کہ ساری مخلوق آپ پر فدائی و شیدائی ہے۔ آپ بندگان خدا کے بگڑے ہوئے مقدر بناتے ہیں، بے کسوں کی دستگیری فرماتے ہیں، بے چین انسانوں کو چین اور دکھی انسانیت کو سکون اور سکھ بخشتے ہیں، بے آسروں کا آسرا، بے سہاروں کا سہارا اور

بے چاروں کا چارہ ہیں، بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور بے مرادوں کو مرادیں بخشتے ہیں۔ بقول اعلیٰ حضرت:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کوئی کیا جانے ہے کیسا تیرا — اولیاء ملتے ہیں آنکھیں، وہ ہے تلوا تیرا

تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدیں ہو — اے خضر! مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

یا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی! مجھے آپ نے تسلی بھی دی ہے، مطلب برآنے کی خوشخبری بھی سنائی ہے، مجھے رونے دھونے سے بھی منع فرمایا ہے، بارہ برس میں نے آہ وزاری کرتے ہوئے گزارے ہیں، خدارا! اب میرے حال پر رحم فرمائیں، بچھڑا ہوا بیٹا مجھے ملوادیں، میری مراد پوری کردیں، بیٹے کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں، آپ ہی میری آنکھوں کی پیاس بجھا سکتے ہیں:

مجھے سپوت کا دیدار کرا دے میراں

ڈوبی کشتی میری پار لگا دے میراں [ارشد ضمیر]

یا غوث اعظم! میری قوت برداشت اب جواب دے چکی ہے، میں مزید انتظار نہیں کر سکتی، جلدی کیجیے، میری دستگیری فرمائیں، میرا بیٹا مجھے ملوا دیں۔ میری اس حسرت، آرزو اور خواہش کو جلد از جلد پورا فرمادیں۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورت شہنشاہ ولایت اور تاجدار اولیاء سے باتیں بھی کرتی جاتی ہے، روتی بھی جاتی ہے، التجائیں بھی کرتی جاتی اور یہ بھی کہتی جاتی ہے کہ:

سن فریاد پیراں دیا پیرا، میری عرض سنیں کن دھر کے ہو

میرا بیڑا اڑیا وچ کپر اندے جتھے مچھ نہ بہندے ڈر کے ہو

شاہ جیلانی محبوب سبحانی میری خبر لیو جھٹ کر کے ہو

پیر جہاندے میراں باہو او کدھی لگدے تر کے ہو [حضرت سلطان باہو]

سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شرف باریابی پاکر ضعیفہ کے تن خستہ میں عجیب وغریب طاقت وتوانائی اور نئی جان پیدا ہوگئی تھی، وہ اپنے مسئلے کو حل کروانے کے لیے دہائیوں پر دہائیاں دیے جارہی تھی اور کہہ رہی تھی، یا شاہ جیلاں، رہبر کاملاں! آپ کے در اقدس پر جو گمراہ آتا ہے تو ہدایت پاتا ہے، چور آتا ہے تو قطب بن جاتا ہے، بیمار اور لاچار آتا ہے تو شفا پاتا ہے، گدا آتا ہے تو شاہ بن جاتا ہے، ادنیٰ آتا ہے تو اعلیٰ بن جاتا ہے، ناقص آتا ہے تو کامل بن جاتا ہے، ذرّہ آتا ہے تو

آفتاب بن جاتا ہے، فقیر آتا ہے تو امیر بن جاتا ہے، غریب آتا ہے تو مال دار بن جاتا ہے، میں بھی بڑی خوش قسمت ہوں، مجھے آپ کا آستانہ محبت وشفقت و رحمت کا کاشانہ اور قسمت جگانے کا بہانہ مل گیا ہے، مجھے امید بندھ گئی ہے اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا دکھ سکھ میں، غم والم خوشی میں، زخم مرہم میں، میری تکلیف راحت میں، میری بے چینی چین میں، میری بے آرامی سکون میں، میری بے قراری قرار میں اور میری بربادی آبادی میں بدلنے کا وقت آ گیا ہے اور بقول امیر مینائی بڑھیا کہتی ہے:

کیا غم میری مدد پہ اگر غوث پاک ہیں　　اللہ بھی ادھر ہے جدھر غوث پاک ہیں
حامی مرے، شفیق مرے، داد رس مرے　　ہیں اس طرف رسولؐ، ادھر غوث پاک ہیں
اس نام سے کلیجے میں ٹھنڈک نہ کیوں پڑے　　مرہم برائے زخم جگر غوث پاک ہیں
کھٹکا نہیں ہے کچھ مجھے آفاتِ دہر کا　　آئے کوئی بلا تو سپر غوث پاک ہیں
کر دیں گے ڈوبتی ہوئی کشتی کو میری پار　　باندھے ہوئے مدد پہ کمر غوث پاک ہیں

جناب غوث صمدانی، محبوب سبحانی، شاہباز لامکانی لب کشا ہوئے، آپ نے بڑھیا سے فرمایا کہ تیری درد بھری فریادوں اور التجاؤں سے میں بڑا متاثر ہوا ہوں، میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ میں باذن اللہ تعالیٰ تیرا بیٹا، تیری بہو اور تیری پوری بارات واپس دلواؤں گا۔

تیری اس بگڑی کو اِک پل میں بنا دوں گا ابھی
دیکھ لے گی خود ہی تو، کشتی نکالوں گا تری　　[ثمر مانچوی]

یہ وعدہ فرماتے ہوئے آپ نے سر سجدہ میں رکھ دیا اور بارگاہ ایزدی میں کچھ یوں عرض گزار ہوئے:

میرے اللہ مرے لب پہ ہے مدحت تیری
جاگزیں دل میں ہے عظمت تیری ہیبت تیری
جلوہ فرما ہے زمانے میں محبت تیری
چمن دہر میں ہر سو ہے حکایت تیری
خالق و مالک و رزاق تو ہی ہے مولا
عام ہے تیرا کرم اور عنایت تیری　　[ارمغانِ محبت]

یا مولا کریم! عنایت فرما، اس بڑھیا کی ڈوبی ہوئی بارات کو نئی زندگی دے اور پوری بارات کو

لوٹا دے۔ اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر یہ دعا کرنے والے کوئی عام انسان نہیں سلطان اولیاء تھے، اولیاء اللہ کے بارے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ   تیر جستہ باز گردانند زِ راہ

یعنی کہ ان اولیاء اللہ میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اتنی قدرت ہوتی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو بھی واپس لا سکتے ہیں۔ مولانا آگے فرماتے ہیں کہ:

گفتہ نا گفتہ کند از فتح باب   تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب

مطلب یہ ہے کہ یہ اولیائے کرام ان ہونی بات کو ہونی اور ہونی کو ان ہونی کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ آگ پر نہ سیخ کو جلنے دیتے ہیں اور نہ ہی کباب کو۔ ان کا یہ تصرف و اختیار اس لیے ہوتا ہے کہ وہ خداوند کریم کے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت و بخشش اور مقبولیت دعا کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اطاعت و بندگی کا یہی وہ مقام ہے کہ جہاں خداوند تعالیٰ اپنے مقبول بندے کو عبدہٗ کہہ کر پکارتا ہے اور جب کوئی بندہ عبدہٗ کے مقام پر پہنچ جائے تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، پھر کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر   ایں سراپا انتظار او منتظر
کس زِ سرِ عبدہٗ آگاہ نیست   عبدہٗ جز سر الا اللہ نیست

یعنی اس بندے کو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس بندے سے اتنا گہرا تعلق ہو جاتا ہے کہ خداوند قدوس اپنے مقبول بندے کو کہتا ہے کہ بقول شاعر علامہ اقبال:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ادھر سجدے میں سر رکھے ہوئے عرض کر رہے تھے کہ اے احکم الحاکمین! تو اس مسکین دل حزین کی آرزو پوری کر دے۔ ادھر بڑھیا دریا پر نظریں جمائے ہوئے تھی کہ اس نے دیکھا کہ اچانک دریا میں طغیانی آئی، اسی گرداب سے وہ کشتی مع اسباب اور باراتیوں کے بالکل صحیح سالم جہاں وہ ڈوبی تھی، باہر نکل آئی۔

سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ مردوں کو زندہ کرنے کی اس خداداد طاقت کا ذکر تحدیث نعمت کے طور پر قصیدہ غوثیہ میں یوں کرتے ہیں:

وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّىْ فَوْقَ مَيْتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰى تَعَالٰى

"اگر میں اپنے راز کو مردہ پر ڈالوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے فوراً اٹھ کھڑا ہو"---

یہ عظیم کرامت دیکھ کر بڑھیا آپ کے قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی:

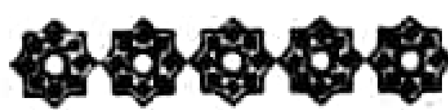
پیر پیراں میر میراں اے شہ جیلاں توئی
انس جاں قدسیاں و غوث انس و جاں توئی
سر توئی ، سرور توئی سر را سر و ساماں توئی
جاں توئی جاناں توئی جاں را قرار جاں توئی

[اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، حدائق بخشش]

بارہ سال بعد بڑھیا کی مراد پوری ہوگئی تو اس کی خوشی دیدنی تھی۔ بیٹے، بہو اور پوری بارات کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ پھولے نہیں سما رہی تھی۔ جب ساری بارات کشتی سے اتر کر کنارے پر آئی تو بڑھیا پوری بارات لے کر حضرت پیران پیر کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ کی قدم بوسی کر کے اور شکریہ ادا کر کے دھوم دھام کے ساتھ گھر کو روانہ ہوگئی۔ جب بڑھیا بارات سمیت گھر پہنچی تو اس کی پوری آبادی میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ اس عظیم کرامت کی اتنی شہرت ہوئی کہ بے شمار مرد و خواتین بارہ برس بعد دریا سے زندہ سلامت نکل آنے والے دولہا و دلہن کو ملنے آتے اور نئی زندگی ملنے پر انہیں مبارک باد دیتے۔ متعدد سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کرامت کو دیکھ کر ہزاروں غیر مسلم مشرف با اسلام ہو گئے۔

ماخذ

خلاصۃ القادریہ، تصنیف شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
غوث اعظم، تصنیف محشی نبراس، علامہ برخودار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
ماہ نامہ نور الحبیب، مارچ ۱۹۷۹ء / ماہ نامہ نور الحبیب، مارچ ۲۰۱۰ء، قصیدہ غوثیہ
بانگ درا، بیاض صادق، ابیات سلطان باہو، ارمغان محبت، حدائق بخشش
کرامت غوثیہ (بڑھیا کا بیڑا)، تصنیف حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری



کراماتِ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ

مولانا محمد الیاس عطار قادری

جنّات کا بادشاہ

ابوسعد عبداللہ بن احمد کا بیان ہے، ایک بار میری لڑکی فاطمہ گھر کی چھت پر سے یکا یک غائب ہوگئی۔ میں نے پریشان ہو کر سرکارِ بغداد حضور سیدنا غوثِ پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر فریاد کی، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا، کرخ جا کر وہاں کے ویرانے میں رات کے وقت ایک ٹیلے پر اپنے اردگرد حصار (یعنی دائرہ) باندھ کر بیٹھ جاؤ، وہاں میرا تصور باندھ لینا اور "بسم اللہ" کہہ لینا، رات کے اندھیرے میں تمھارے اردگرد جنات کے لشکر گزریں گے، ان کی شکلیں عجیب و غریب ہوں گی، انھیں دیکھ کر ڈرنا نہیں، سحری کے وقت جنات کا بادشاہ تمھارے پاس حاضر ہوگا اور تم سے تمھاری حاجت دریافت کرے گا، اُس سے کہنا:

"مجھے شیخ عبدالقادر جیلانی (قُدِّسَ سِرُّہُ الرَّبَّانی) نے بغداد سے بھیجا ہے، تم میری لڑکی کو تلاش کرو"---

چناں چہ کرخ کے ویرانے میں جا کر میں نے حضور غوثِ اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا۔ رات کے سناٹے میں خوف ناک جنات میرے حصار کے باہر گزرتے رہے،

جنات کی شکلیں اس قدر ہیبت ناک تھیں کہ مجھ سے دیکھی نہ جاتی تھیں ۔سحری کے وقت جنات کا بادشاہ گھوڑے پرسوار آیا، اس کے اردگرد بھی جنات کا ہجوم تھا، حصار کے باہر ہی سے اُس نے میری حاجت دریافت کی ۔ میں نے بتایا کہ مجھے حضور غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔اتنا سننا تھا کہ ایک دَم وہ گھوڑے سے اتر آیا اور زمین پر بیٹھ گیا، دوسرے سارے جن بھی دائرے کے باہر بیٹھ گئے ۔ میں نے اپنی لڑکی کی گم شدگی کا واقعہ سنایا۔ اس نے تمام جنات میں اعلان کیا کہ لڑکی کو کون لے گیا ہے؟ چند ہی لمحوں میں جنات نے ایک چینی جن کو پکڑ کر بطورِ مجرم حاضر کردیا۔ جنات کے بادشاہ نے اس سے پوچھا، قطب وقت حضرتِ غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے شہر سے تم نے لڑکی کیوں اٹھائی ؟ وہ کانپتے ہوئے بولا ، عالی جاہ! میں دیکھتے ہی اُس پر عاشق ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے اس چینی جن کی گردن اُڑانے کا حکم صادِر کیا اور میری پیاری بیٹی میرے سپرد کردی۔ میں نے جنات کے بادشاہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا، ماشاءاللہ عزَّ وَجل! آپ سیدنا غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے بے حد چاہنے والے ہیں۔ اس پر وہ بولا ، خدا کی قسم! جب حضورِ غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہماری طرف نظر فرماتے ہیں تو تمام جنات تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی قطب وقت کا تعین فرماتا ہے تو تمام جن وانس اس کے تابع کردیے جاتے ہیں۔

[بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، صفحہ ۱۴۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت]

تھرتھراتے ہیں سبھی جنات تیرے نام سے
ہے ترا وہ دبدبہ یا غوثِ اعظم دست گیر

عذاب قبر سے رہائی

ایک غم گین نوجوان نے آکر بارگاہ غوثیت مآب علیہ رحمۃ التواب میں فریاد کی ، یاسیدی! میں نے اپنے والد مرحوم کو رات خواب میں دیکھا، وہ کہہ رہے تھے:

''بیٹا! میں عذابِ قبر میں مبتلا ہوں، تو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الربانی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر میرے لیے دعا کی درخواست کر''۔۔۔

یہ سن کر سرکارِ بغداد حضورِ غوثِ اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے اِستفسار فرمایا، کیا تمہارے ابا جان میرے مدرسے سے کبھی گزرے ہیں؟ اُس نے عرض کی، جی ہاں۔ بس آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خاموش ہو گئے۔ وہ نوجوان چلا گیا۔ دوسرے روز خوش خوش حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا، یامرشد! آج رات والد مرحوم سبز حلہ (یعنی سبز لباس) زیب تن کیے خواب میں تشریف لائے، وہ بے حد

خوش تھے، کہہ رہے تھے:

''بیٹا! سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الربانی کی برکت سے مجھ سے عذاب دور کر دیا گیا ہے اور یہ سبز حلہ بھی ملا ہے۔ میرے پیارے بیٹے! تو ان کی خدمت میں رہا کر''---

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، میرے ربّ عزوجلّ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے:

''جو مسلمان تیرے مدرسے سے گزرے گا اس کے عذاب میں تخفیف (یعنی کمی) کی جائے گی''---[مرجع سابق، صفحہ ۱۹۴]

نزع میں ، گور میں ، میزاں پہ سر پل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ معلّٰی تیرا

المدد یا غوثِ اعظم

حضرت بشر قرظی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ میں شکر سے لدے ہوئے ۱۴ اونٹوں سمیت ایک تجارتی قافلے کے ساتھ تھا۔ ہم نے رات ایک خوف ناک جنگل میں پڑاؤ کیا۔ شب کے ابتدائی حصے میں میرے چار لدے ہوئے اونٹ لاپتا ہو گئے جو تلاش بسیار کے باوجود نہ ملے۔ قافلہ بھی کوچ کر گیا، شتربان میرے ساتھ رک گیا۔ صبح کے وقت مجھے اچانک یاد آیا کہ میرے پیرو مرشد سرکارِ بغداد حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے فرمایا تھا:

''جب بھی تو کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو مجھے پکار، ان شاء اللہ عزوجل وہ مصیبت جاتی رہے گی''---

چناں چہ میں نے یوں فریاد کی: ''یا شیخ عبدالقادر! میرے اونٹ گم ہو گئے ہیں''۔

یکا یک جانب مشرق، ٹیلے پر مجھے سفید لباس میں ملبوس ایک بزرگ نظر آئے، جو اشارے سے مجھے اپنی جانب بلا رہے تھے۔ میں اپنے شتربان کو لے کر جوں ہی وہاں پہنچا کہ یکا یک وہ بزرگ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ہم ادھر اُدھر حیرت سے دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک وہ چاروں گم شدہ اونٹ ٹیلے کے نیچے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ پھر کیا تھا ہم نے فوراً انہیں پکڑ لیا اور اپنے قافلے سے جا ملے۔

نمازِ غوثیہ کا طریقہ

حضرتِ سیدنا شیخ ابوالحسن علی خباز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب گم شدہ اونٹوں والا واقعہ بتایا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بتایا کہ میں نے سیدنا شیخ محی الدین

عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الربانی کو فرماتے سنا ہے:

''جس نے کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کی، وہ مصیبت جاتی رہی، جس نے کسی سختی میں میرا نام پکارا، وہ سختی دور ہوگئی، جو میرے وسیلے سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرے، وہ حاجت پوری ہوگی۔ جو شخص دو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد قل ھو اللہ شریف گیارہ گیارہ بار پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد سرکار مدینہ ﷺ پر درود و سلام بھیجے، پھر بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چل کر میرا نام پکارے اور اپنی حاجت بیان کرے، ان شاء اللہ عزوجل وہ حاجت پوری ہوگی''---[بہجۃ الاسرار و معدن الانوار، صفحہ ۱۹۴-۱۹۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت]

آپ جیسا پیر ہوتے کیا غرض در در پھروں
آپ سے سب کچھ ملا یا غوثِ اعظم دست گیر

اللہ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا

ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی سے مدد مانگنی ہی نہیں چاہیے کیوں کہ جب اللہ عزوجل مدد کرنے پر قادر ہے تو پھر کسی اور سے مدد مانگیں ہی کیوں؟ جواباً عرض ہے کہ یہ شیطان کا خطرناک ترین وار ہے اور اس طرح وہ نہ جانے کتنے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ جب اللہ عزوجل نے کسی غیر سے مدد مانگنے سے منع نہیں فرمایا تو پھر کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی سے مدد مت مانگو۔ دیکھیے قرآن پاک میں جگہ بہ جگہ اللہ عزوجل نے دوسروں سے مدد مانگنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، بلکہ ہر ہر طرح سے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود بذاتِ خود اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾---[پارہ ۲۶، محمد ۷]

ترجمہ کنزالایمان:

''اگر تم دین خدا (عزوجل) کی مدد کرو گے اللہ (عزوجل) تمہاری مدد کرے گا''---

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے دوسروں سے مدد مانگی

حضرتِ سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اپنے حواریوں سے مدد طلب فرمائی، چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

اَلْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾---[پارہ۲۸،الصف۱۴]

ترجمہ کنزالایمان:

''عیسیٰ (علیہ السلام) بن مریم (رضی اللہ عنہا) نے حواریوں سے کہا تھا،کون ہیں جو اللہ (عزوجل) کی طرف ہوکر میری مدد کریں؟ حواری بولے،ہم دین خدا (عزوجل) کے مددگار ہیں''---

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے بندوں کا سہارا مانگا

حضرتِ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب تبلیغ کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو انہوں نے بندے کی مدد حاصل کرنے کے لیے بارگاہِ خداوندی عزوجل میں عرض کی:

﴿وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ o ھٰرُوْنَ اَخِیْ o اشْدُدْ بِہٖٓ اَزْرِیْ o﴾---[پارہ۱۶،طٰہٰ ۲۹،۳۱]

ترجمہ کنزالایمان:

''اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے۔وہ کون،میرا بھائی ہارون (علیہ السلام)،اس سے میری کمر مضبوط کر''---

نیک بندے بھی مددگار ہیں

ایک اور مقام پر ارشادِ باری عزوجل ہے:

﴿فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ج وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ o﴾---[پارہ۲۸،التحریم۴]

ترجمہ کنزالایمان:

''تو بے شک اللہ (عزوجل) ان کا مددگار ہے اور جبریل (علیہ السلام) اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں''---

انصار کے معنیٰ مددگار

دیکھا آپ نے قرآنِ پاک بالکل صاف صاف لفظوں میں بہ بانگ دہل یہ اعلان کر رہا ہے کہ اللہ عزوجل تو مددگار ہے ہی مگر باذنِ پروردگار عزوجل ساتھ ہی ساتھ جبریلِ امین علیہ السلام اور اللہ عزوجل کے مقبول بندے (انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ) اور فرشتے بھی مددگار ہیں۔اب تو ان شاء اللہ عزوجل یہ وسوسہ جڑ سے کٹ جائے گا کہ اللہ عزوجل کے سوا

کوئی مدد کر ہی نہیں سکتا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ جو مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے وہ مہاجر کہلائے اور ان کے مددگار انصار کہلائے اور یہ ہر سمجھ دار جانتا ہے کہ ''انصار'' کے لغوی معنیٰ ''مددگار'' ہیں۔

اهل الله زنده هیں

اب شاید شیطان دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ زندوں سے مدد مانگنا تو درست ہے مگر بعد وفات مدد نہیں مانگنی چاہیے۔ آیت ذیل اور اس کے بعد والے مضمون پر غور فرمالیں گے تو ان شاء اللہ عزَّ وَجَلَّ اس وسوسے کی جڑ بھی کٹ جائے گی۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝﴾---[پارہ ۲، البقرۃ ۱۵۴]

ترجمہ کنزالایمان:

''اور جو خدا (عزَّ وَجَلَّ) کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں خبر نہیں''---

انبیاء حیات هیں

جب شہداء کی زندگی کا یہ حال ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو شہیدوں سے مرتبہ وشان میں بالاتفاق اعلیٰ اور برتر ہیں، ان کے حیات ہونے میں کیوں کر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت سیدنا امام بیہقی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے حیاتِ انبیاء کے بارے میں ایک رسالہ اور ''دلائل النبوۃ'' میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام شہداء کی طرح اپنے ربّ عزَّ وَجَلَّ کے پاس زندہ ہیں۔

[الحاوی للفتاویٰ للسیوطی، جلد ۲، صفحہ ۲۶۳، دارالکتب العلمیۃ بیروت]

اولیاء حیات هیں

بہر حال انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ حیات ہوتے ہیں اور ہم مردوں سے نہیں بلکہ زندوں سے مدد مانگتے ہیں اور اللہ عزَّ وَجَلَّ کی عطا سے انہیں حاجت روا اور مشکل کشا مانتے ہیں۔ ہاں اللہ عزَّ وَجَلَّ کی عطا کے بغیر کوئی نبی یا ولی ایک ذرّہ بھی نہیں دے سکتا، نہ ہی کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

امامِ اعظم نے سرکار سے مدد مانگی

حضرتِ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مدد کی درخواست کرتے

ہوئے قصیدۂ نعمان میں عرض کرتے ہیں:

یَا اَکْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یَا کَنْزَ الْوَرٰی
جُدْلِیْ بِجُوْدِکَ وَ اَرْضِنِیْ بِرِضَاکَ
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ لَمْ یَکُنْ
لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ

"اے جن وانس سے بہتر اور نعمت الٰہی عزوجل کے خزانے! اللہ عزوجل نے جو آپ کو عطا فرمایا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا فرمایئے اور اللہ عزوجل نے آپ کو جو راضی کیا ہے آپ مجھے بھی راضی فرمایئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں۔ آپ کے سوا ابوحنیفہ کا مخلوق میں کوئی نہیں"---

شاہ ولی اللہ کا اعتقاد

حضرتِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ رحمۃ اللہ القوی ہمعات کے ہمعہ ۱۱ میں گیارہویں والے غوثِ پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شانِ عظمت نشان بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اند ولہذا گفتہ اند کہ ایشاں در قبر خود مثل اَحیاء تصرف می کنند---

[ہمعات، صفحہ ۶۱، اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدھلوی، باب الاسلام حیدرآباد]

"وہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ الربانی ہیں، لہٰذا کہتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی قبر شریف میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں (یعنی زندوں ہی کی طرح بااختیار ہیں)"---

لوٹا قبلہ رُخ ہو گیا

ایک بار جیلان شریف کے مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک وفد حضور سیدنا غوثِ اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی خدمت سراپا عظمت میں حاضر ہوا، اُنہوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لوٹے شریف کو غیر قبلہ رُخ پایا (تو اس کی طرف آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ دلائی اس پر) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے خادِم کو جلال بھری نظر سے دیکھا۔ وہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جلال کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک دم گرا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اب ایک نظر لوٹے پر ڈالی تو وہ خود بخود قبلہ رخ ہوگیا۔ [مرجع سابق، صفحہ ۱۰۱]

خدارا! مرہم خاکِ قدم دے
جگر زخمی ہے دل گھائل ہے یا غوث

لوٹا قِبلہ رُخ رکھا کیجیے

سرکارِ بغداد حضورِ غوثِ پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دیوانو! یقیناً محبت کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ اپنے محبوب کی ہر ہر ادا کو خوش دلی کے ساتھ اپنا لیا جائے۔ لہٰذا ہو سکے تو لوٹے کی ٹونٹی ہمیشہ قبلہ رخ رکھا کیجیے۔ حضور محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لوٹے کے علاوہ اپنی نعلین مبارکین بھی قبلہ رُخ ہی رکھا کرتے۔ الحمدللہ سگ مدینہ عُفی عنہ ان دونوں اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہما کی اِتباع میں حتی الامکان اپنے لوٹے اور جوتیوں کا رُخ قبلہ ہی کی طرف رکھتا ہے، بلکہ خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہر چیز کا رُخ جانب قبلہ رہے۔

قِبلہ رُو بیٹھنے والے کی حکایت

دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنا چہرہ بھی ممکنہ صورت میں قبلہ رُخ رکھنے کی عادت بنانی چاہیے کہ اِس کی برکتیں بے شمار ہیں، چناں چہ حضرتِ سیدنا امام برہان الدین ابراہیم زَرنوجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، دو طلبہ علم دین حاصل کرنے کے لیے پردیس گئے، دو سال تک دونوں ہم سبق رہے، جب وطن لوٹے تو ان میں ایک فقیہ (یعنی زبردست عالم و مفتی) بن چکے تھے جبکہ دوسرا علم و کمال سے خالی ہی رہا تھا۔ اس شہر کے علمائے کرام رَحِمھم اللہ تعالیٰ نے اِس اَمر پر خوب غور و خوض کیا، دونوں کے حصولِ علم کے طریقہ کار، اندازِ تکرار اور بیٹھنے کے اطوار وغیرہ کے بارے میں تحقیق کی تو ایک بات نمایاں طور پر سامنے آئی کہ جو فقیہ بن کر پلٹے تھے اُن کا معمول یہ تھا کہ وہ سبق یاد کرتے وقت قبلہ رو بیٹھا کرتے تھے جب کہ دوسرا جو کہ کورے کا کورا پلٹا تھا وہ قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے کا عادی تھا، چناں چہ تمام علماء و فقہاء رَحِمھم اللہ تعالیٰ اِس بات پر متفق ہوئے کہ یہ خوش نصیب اِستقبالِ قبلہ (یعنی قبلہ کی طرف رُخ کرنے) کے اِہتمام کی برکت سے فقیہ بنے، کیوں کہ بیٹھتے وقت کعبۃ اللہ شریف کی سمت منہ رکھنا سنت ہے۔

[تعلیم المتعلم طریق التعلم، صفحہ ۶۸، باب المدینہ کراچی]



Scanned with CamScanner

حضرتِ غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا مقام اور سیرت

راجا رشید محمود

اولیاء اللہ جب تک زندہ رہے، لوگوں کو فیض کے چشموں سے سیراب کرتے رہے، دنیا کو حسنِ اخلاق اور فیضانِ نظر کے ذریعے دینِ حق کے قریب لاتے رہے، عالم میں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی ترویج کرتے رہے، لوگوں کو معبودِ حقیقی کے در پر جھکاتے رہے، قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی کی تبلیغ و تعمیل کی روشنی سے عالم کو بقعۂ نور بناتے رہے اور مرنے کے بعد بھی ان کے فیض کے سوتے لوگوں کی روحوں کو سیراب کر رہے ہیں۔

ان بزرگوں نے کفرستانِ ضلالت و گمرہی کو قندیلِ ایمان سے جگمگا دیا۔ ان نفوسِ قدسیہ نے اسلام کی حقانیت کو اپنے عمل سے ثابت کیا، عوام و خواص کو دنیا کی بے ثباتی کا یقین دلایا اور علائقِ دنیا سے متنفر کیا۔

اسی قبیلۂ عاشقانِ خدا و رسول کے سرخیل اور اولیاء اللہ کے مقتداء و رہنما حضرت غوثِ اعظم محی الدین سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں، جو علم بردار تھے، توحیدِ خداوندی اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ انھوں نے زندگی بھر اقامتِ دین اور احیائے اسلام کا پرچم بلند کیا۔

خدا تعالیٰ دوست بناتا اسی کو ہے، جس کی زندگی سرکارِ دو جہاں، ممدوحِ انس و جاں، حبیبِ مخلوق و

محبوبِ یزداں ﷺ کی متابعت میں گزرے، جو ان کی تعلیمات کے فروغ اور ان کی سنت کی پیروی کو مقصدِ حیات سمجھے اور لوگوں کے دلوں میں اس مقصد کے حصول کی لگن پیدا کر دے۔

حضرت غوثِ صمدانی، شاہِ جیلانی رضی اللہ عنہ توکل واستغناء کے پیکرِ جمیل تھے، عفو وکرم کا مجسمہ تھے، قرآنِ مجید کی تلاوت کے ہنگام یا حضور سید الانام ﷺ کے ذکرِ مبارک کے وقت ان کی آنکھوں سے سیلابِ اشک بہہ نکلتا تھا، مظلوم کی امداد واستعانت کے لیے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے اور اخلاقِ حمیدہ کی تصویرِ مجسم تھے۔

کیوں نہ ہوتا؟ جن کی ماں کا نام فاطمہ ہو، جن کی پھوپھی اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ کی ہم نام ہو، جن کے والد ابو صالح موسیٰ ہوں اور جن کا نانا سید الانبیاء ﷺ ہو، جن کا قلب نورِ خدا کی تجلیوں سے مستنیر ہو، جن کے سر پر بے سایہ وسائبانِ عالم ﷺ کا ظلِ عاطفت ہو، وہ ایسے کیوں نہ ہوں کہ ان کا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہو:

واہ کیا مرتبہ اے غوث! ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا! تیرا

اولیاء اللہ کے دل میں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے مقام کی عظمتیں کس طرح جاگزیں ہیں، اس کے چند مظاہر ملاحظہ فرمایئے:

- حضرت سیدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یا غوثِ معظم، نورِ ہدیٰ، مختارِ نبی، مختارِ خدا
سلطانِ دو عالم، قطبِ علیٰ، حیراں زِ جلالت ارض وسما
در صدق ہمہ صدیق وشی، در عدل وعدالت چو عمری
اے کانِ حیا عثمانِ غنی، مانندِ علی با جود وسخا

- حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مکتوب نمبر ۱۲۳ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''حضور پرنور سیدنا غوثِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے زمانۂ مبارک سے فیضانِ ولایت و برکاتِ طریقت حاصل کرنے میں (تمام اقطاب ونجباء) حضور غوثِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے محتاج ہوں گے۔ بغیر ان کے واسطے اور وسیلے کے قیامت تک کوئی ولی نہیں ہو سکتا''۔۔۔

- شیخ الشیوخ حضرت سیدنا شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا غوثِ اعظم ﷜ کی شان میں فرماتے ہیں:

"شیخ عبدالقادر (﷜) بادشاہِ طریقت اور تمام وجود میں صاحبِ تصرف تھے۔ کرامات اور خوارقِ عادات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یدِ طولیٰ عطا فرمایا تھا"---

- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "ھمعات" میں فرماتے ہیں:

"اولیائے عظام میں سے راہِ جذب کی تکمیل کے بعد جس شخص نے کامل واکمل طور پر نسبتِ اویسیہ کی طرف رجوع کر کے وہاں کامل استقامت سے قدم رکھا ہے، وہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (﷜) ہیں اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ آں جناب اپنی قبر شریف میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں"---

"ھمعات" کے علاوہ "تفہیماتِ الٰھیہ"، جلد دوم میں کہتے ہیں:

"شیخ عبدالقادر جیلانی (﷜) کو عالم میں اثر ونفوذ کا ایک خاص مقام حاصل ہے اور ان میں وہ وجود منعکس ہوگیا ہے، جو تمام عالم میں جاری وساری ہے"---

- حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اخبارالاخیار" میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ﷻ نے سیدنا غوثِ اعظم (﷜) کو قطبیتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمیٰ کا مرتبہ عطا فرمایا۔ فرشتوں سے لے کر زمینی مخلوق تک میں آپ کے کمال اور جلال و جمال کا شہرہ تھا"---

- امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کہتے ہیں:

نایدز سلف عدیلِ عبد القادر — ناید بخلف بدیلِ عبد القادر
منکش گرز اہلِ قرب جوئی، گوئی — عبد القادر، مثیلِ عبد القادر

- اور حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی ﷜ خود اپنے بارے میں "قصیدۂ غوثیہ" میں فرماتے ہیں:

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَ الْمَخْدَعُ مَقَامِیْ
وَ اَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

"میں حسنی ہوں اور میرا مرتبہ، قربِ خاص ہے اور میرا پاؤں مردانِ خدا کی گردن پر ہے"---

ہمارے ہاں یہ بات روایت کا درجہ حاصل کر گئی ہے کہ کسی بزرگ کے عرسِ پاک پر جو مجلس

Scanned with CamScanner

برپا ہو، اس میں ان کی کشف و کرامات اور خوارقِ عادات پر گفتگو ہو، مگر ان کی سیرت و کردار یا شخصیت کے علمی اور تبلیغی پہلو پر خالصتاً علمی مجالس کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے، حالاں کہ جہاں تک خدا تعالیٰ کے پیغمبروں کے معجزات اور اس کے دوستوں کی کرامات کا تعلق ہے، وہ برحق ہیں۔ خدا کے دوستوں کے لیے کائنات پر متصرف ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں، مگر اس عوامی تأثر کو ختم کرنے کی ضرورت ہے کہ اولیاءِ کرام کے تصرفات، کشوف و کرامات ہی سب کچھ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اولیاء اللہ، خود اللہ تعالیٰ تک رسائی کے مراحل طے کرتے ہیں اور لوگوں کو خدا تک پہنچانا چاہتے ہیں، خود دین کے احکام کی شدت سے پابندی کرتے ہیں اور لوگوں سے یہ پابندی کرانا چاہتے ہیں۔

خود سیدی شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مرشد کے لیے پانچ باتیں ضروری ہیں:

۱......وہ احکامِ شریعت سے پورا پورا واقف ہو۔

۲......اصلِ حقیقت کا واقف ہو۔

۳......جو کوئی اس کے پاس جائے، اس کی کشادہ دلی و کشادہ پیشانی سے خدمت کرے۔

۴......حلال و حرام کو جانتا ہو اور

۵......اپنے آپ کو مہذب بنائے اور مرید کے حال کا نگران رہ کر اسے راہِ حق پر چلائے''---

''غنیۃ الطالبین'' شریعت و طریقت کے مسائل پر حضرتِ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عظیم تصنیف ہے، علم تصوف و معرفت اور اسرارِ حقیقت و معارفِ قرآنی کے اٹھہتر مقالات کی حامل ''فتوح الغیب'' ہے، حضرت کے تریسٹھ خطبات کا مجموعہ ''فتحِ ربانی'' ہے، آپ کے چودہ قصائد میں سے ایک ''قصیدۂ غوثیہ'' ہے، جو زبانِ زدِ خاص و عام ہے۔ ہمیں چاہیے کہ سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ سے اپنی محبت و عقیدت کا مظاہرہ اس صورت میں بھی کریں کہ ان کی تعلیمات سے اپنی روحوں کو مستفید و مستنیر کریں۔ ان کی تصانیف کے مطالعے سے اور ان کے ارشادات پر عمل سے اپنی زندگیوں کو صراطِ مستقیم پر چلائیں اور ان کی سیرت و کردار سے عملی استفادہ کریں۔

مثلاً ہمیں جھوٹ اور سچ کے دوراہے پر کھڑا ہونے کا مرحلہ درپیش ہو تو حضرت کی زندگی ہماری رہنمائی کرے۔ ہمیں یاد ہو کہ رہزن حملہ آور ہیں، جھوٹ سچ پر صرف صدری میں سلے ہوئے چالیس دیناروں کا ہی نہیں، زندگی کا بھی دار و مدار ہے، مگر حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی صداقت شعاری کے قربان جایئے کہ سچ بولتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ممدوح کے اس واقعے کو اپنے اذہان و قلوب میں جاگزیں کر لیتے، تو یقین ہو جاتا کہ سچ بولنے کا نتیجہ آخر کار اچھا ہی نکلتا ہے اور:

کام وہ اچھا ہے، جس کا کہ مآل اچھا ہے۔

ہم حضرت سیدنا شیخ محی الدین جیلانی ﷛ کی سیرتِ پاک کا اس لحاظ سے مطالعہ کریں کہ ہمیں ان سے محبت کا حق اپنے اعمال و کردار کی راستی سے ادا کرنا ہے، تو ہمیں معلوم ہو کہ شیطان نے ان پر زندگی بھر کئی جال پھینکے، مگر وہ خدا کے مقبول بندے اس کے پھندے میں نہ آئے۔ پھر اس نے انھیں مژدہ سنایا:

"تمام عمر آپ نے عبادت کی ہے، اب آپ کو عبادت کی ضرورت نہیں"---

آپ نے لاحول پڑھی۔ اس پر شیطان نے اپنی اصلی حیثیت سے انھیں کہا:

"آپ اپنے علم کی وجہ سے محفوظ رہے، ورنہ میرے پھندے سے نہ بچ سکتے"---

تو آپ نے اس کا یہ وار بھی کند کر دیا اور فرمایا:

"میں علم کی وجہ سے نہیں، محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمہارے چکر میں نہیں آیا"---

لیکن ہم عبادت کے تکلف سے آزاد "صوفیوں" کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی ﷛ کی زندگی سے اکتسابِ فیض نہیں کرتے۔ آخر کیوں؟

پھر ہم غوثِ صمدانی ﷛ کے مداح و منقبت سرا لوگوں کو دیکھنا چاہیے کہ کہیں دولت اور دنیاوی آسائشوں کے حصول کے لیے ہم اپنے ممدوح کی تعلیمات سے صرفِ نظر تو نہیں کر رہے، ان کی حیاتِ پاک کے ان زرّیں گوشوں کو فراموش کرنے کے مجرم تو نہیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مجاہدے اور ریاضت کے دوران میں دجلہ کے کنارے بیس روز کے بعد انہیں کچھ ملا تو انھوں نے شام تک سب کا سب راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔

"بھجۃ الاسرار" میں ہے کہ حضور سیدنا غوثِ اعظم ﷛ تلاشِ حق میں پچیس سال عراق کے بے آب و گیاہ صحراؤں میں پھرتے رہے، مگر ہم میں سے کتنے ہیں، جنھیں تلاشِ حق میں ایک رات کی نیند قربان کر دینا بھی گوارا ہو۔

حضرتِ خواجۂ خواجگان سیدنا معین الدین چشتی اجمیری ﷛ خراسان کے پہاڑوں میں مجاہدات میں مشغول تھے کہ حضرت سیدنا غوث اعظم ﷛ نے اولیاء اللہ کی گردنوں کو اپنے زیرِ قدم ہونے کا اعلان فرمایا، تو خواجہ ﷛ نے خراسان میں اپنی گردن خم کر دی، پھر ہم حضرت سیدنا غوث الاعظم ﷛ کا نام مبارک سن کر اپنا سرِ نیاز کیوں نہ خم کر دیا کریں۔

حضور سرورِ کونین، سلطانِ دارین ﷺ نے فرمایا:

Scanned with CamScanner

''علم کا حصول ہر مؤمن (مرد اور عورت) پر فرض ہے''---

پس ہمیں دیکھنا چاہیے کہ حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی ؓ نے حصولِ علم کے لیے کیا کیا کیا؟ ۱۸ رسال کی عمر میں جیلان سے آپ بغداد تشریف لائے، تو حصولِ علم کی خاطر بغداد میں سات سال تک علومِ ظاہریہ کی تحصیل میں مصروف رہے، پھر ۲۵ رسال ریاضت میں گزارے اور پھر چالیس برس مخلوقِ خدا کی ہدایت میں بسر فرمائے۔ آپ فرماتے تھے:

''جو شخص علم کے بغیر اللہ ﷻ کی عبادت کرتا ہے، اس کی اصلاح کے امکانات کم ہوں گے''---

حضرتِ سیدنا غوث العالمین ؓ اپنے مقام کی عظمت کے حوالے سے لوگوں کو خداوندِ قدوس ﷻ کے مقام کی طرف متوجہ فرماتے ہیں، ارشاد ہے:

''اے اللہ سے روگردانی کرنے والو! اُس کی طرف آجاؤ، جب میرے نام کا سننا ہی شفاء ہے تو حق کا مقام کیا ہوگا؟ جب ''دار المحنت'' (دنیا) کی یہ حالت ہے تو ''دار النعمت'' (آخرت) کیا ہوگا؟''---

اپنے اعمال کی حساب وہی کے لیے قیامت کا انتظار کرنا درست نہیں۔ حضرت سیدنا غوثِ اعظم جیلانی ؓ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے یومِ حساب سے پہلے ہی اپنے نفس کا محاسبہ کرو''---

الغرض حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوثِ اعظم ؓ کی دنیا سے بے رغبتی، علائقِ دنیا سے دوری اور معرفتِ حق، طالبانِ حق کے لیے مشعلِ تابندہ کی طرح جگمگاتی رہے گی۔ ان کی تبلیغِ اسلام کی سرگرمیاں ہمیں سبق سکھاتی رہیں گی کہ اخلاص کی دولت سے بہرہ یاب ہونے والے ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں، جو قوموں کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جاتے ہیں۔ آپ چالیس سال تک وعظ فرماتے رہے، ہر ہفتے میں تین دن۔ اور ان کے وعظ میں ساٹھ ستر ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔ حضرت سیدنا غوثِ اعظم ؓ کا وجود علامہ اقبال کے اس شعر کی تصویرِ مجسم ہے:

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی، اِرادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں

اولیاء اللہ کا فیضِ روحانی ان کی ظاہری زندگی تک ہی محدود نہیں ہوتا، دنیا ان کی رحلت کے بعد بھی بزرگانِ دین، مقربینِ بارگاہِ الٰہی اور عشاقِ رسالت پناہی سے کسبِ فیض کرتی ہے۔



Scanned with CamScanner

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ مظہرِ شانِ نبوت

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

و للّٰه المثل الاعلٰی---[النحل،۱۶:۶۰]

''اور بلند تر صفت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے''---

اللہ تعالیٰ کی بلند تر صفت یا سب سے بڑی شان سے کیا مراد ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ نبوت، الوہیت کی دلیل ہوتی ہے اور ولایت، امت میں نبوت کی دلیل ہوتی ہے۔ نبی، اللہ تعالیٰ کی شان ہوتا ہے اور ولی اپنے نبی کی شان ہوتا ہے، جیسی شان کا حامل نبی ہو، اسی کا مظہر ولی ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی کو بڑے بڑے ولی ملے، جس طرح حضرت سلمان علیہ السلام کو آصف بن برخیا جیسے ولی بھی ملے، جو آنکھ جھپکنے سے پہلے سیکڑوں میلوں کی مسافت سے بلقیس کا تخت حاضر کرتے ہیں۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے مگر کسی نبی کو غوث اعظم حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ جیسا ولی نہیں ملا، اس لیے کہ کوئی نبی، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہوا۔ جو نبی کی شان ہوتی ہے، وہ ولی اس شان کی برہان ہوتا ہے۔ ولی، نبی کی شان کا آئینہ دار ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح نبی کا مرتبہ ہوگا، اس کی امت میں ولایت بھی اس کے مرتبے کا عکس ہوگی۔ نبوت، حضور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے نکتۂ کمال پر جا پہنچی اور نبوت کا کمالِ نقطۂ وجودِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے حرکت نہیں کر سکتا۔ نبوت کا

Scanned with CamScanner

ارتقاء مقام محمدی ﷺ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، اسی طرح نبوت محمدی ﷺ میں ولایت کا ارتقاء اور ولایت کا کمال نقطۂ وجود سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ نہیں سکتا۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو سلطان الاولیاء بنایا، جیسے آقا ﷺ خود سلطان الانبیاء ہیں۔ حضور ﷺ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی اللہ تعالیٰ عزوجل کی شان ہوتا ہے تو حضور ﷺ کا مقام کیا ہوا؟ حضور ﷺ چوں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں، لہٰذا مصطفیٰ ﷺ، اللہ تعالیٰ عزوجل کی سب سے بڑی شان ہیں اور اللہ عزوجل فرما رہا ہے:

﴿و للّٰه المثل الاعلیٰ﴾---

''اللہ عزوجل کی شان سب سے بڑی ہے''---

مراد یہ ہے کہ:

خدا جل جلالہ کا مصطفیٰ ﷺ سب سے بڑا ہے---

خدا جل جلالہ کے مصطفیٰ ﷺ جیسا کائنات میں کوئی نہیں ہے---پس:

حضور ﷺ کی ذات اللہ عزوجل کی شان کا سب سے بڑا عنوان ہے---

اللہ عزوجل کی رحمت کا عنوان محمد ﷺ ہیں---

اللہ عزوجل کے ذکر کا عنوان محمد ﷺ ہیں---

اللہ عزوجل کی اطاعت کا عنوان محمد ﷺ ہیں---

اللہ عزوجل کی محبت کا عنوان محمد ﷺ ہیں--- اسی طرح:

اللہ عزوجل کی قدرت کا عنوان محمد ﷺ ہیں---

اللہ عزوجل کی عظمت کا عنوان محمد ﷺ ہیں---اللہ پاک نے فرمایا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾---[الرعد:۲۸]

''جان لو! اللہ عزوجل ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے''---

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

''اللہ عزوجل کے ذکر سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں''---

یعنی حضور ﷺ اللہ جل جلالہ کا ذکر ہیں۔ گویا اللہ عزوجل فرما رہا ہے:

لوگو! دلوں کا اطمینان چاہتے ہو تو میرے مصطفیٰ ﷺ کے ہو جاؤ---کہ:

میرا ذکر، محمد ﷺ ہے--- اور:

محمد ﷺ سے وابستگی میں سب دلوں کا چین ہے---

سورۃ الفاتحہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾---

''ہمیں سیدھی راہ دکھا''---

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''سیدھی راہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے''---

یہ عظیم قول حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا تو امام حسن بصری تڑپ اٹھے، کہنے لگے:

''خدا کی قسم درست معنیٰ کیا ہے''---

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ صراط مستقیم، محمد ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾---[آل عمران:۱۰۳]

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو''---

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا:

'حَبْلُ اللّٰهِ' سے مراد کیا ہے؟ اللہ کی رسی جس کو تھامنا ہے، وہ کیا ہے؟---

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں''--- پس:

'حَبْلُ اللّٰهِ' محمد ﷺ ہیں--- 'ذِكْرُ اللّٰهِ' محمد ﷺ ہیں---

'صراطِ مستقیم' محمد ﷺ ہیں--- 'نُوْرُ اللّٰهِ' محمد ﷺ ہیں---

'اطاعةُ اللّٰهِ' محمد ﷺ ہیں--- 'وجهُ اللّٰهِ' محمد ﷺ ہیں---

بس، ایک رب، محمد نہیں، باقی سب کچھ محمد ﷺ ہے---

بس ایک رب کو محمد نہ کہو---اور---محمد کو رب نہ کہو، باقی سب کچھ محمد ﷺ ہیں---

قرآن، محمد ﷺ ہے--- ایمان، محمد ﷺ ہے---

اسلام، محمد ﷺ ہے--- کعبے کا کعبہ، محمد ﷺ ہے---

جس کی طرف ہاتھ کر کے کہہ دیا یہ کعبہ ہے، وہی کعبہ ہو گیا---

جس سمت اشارہ کر دیا، وہ قبلہ ہو گیا---

Scanned with CamScanner

جس کو قرآن کہہ دیا، وہ قرآن ہو گیا---

کسی نے قرآن کریم اور جبرائیل امین علیہ السلام کو اترتے، وحی کا نزول ہوتے نہیں دیکھا، جو مصطفیٰ ﷺ نے کہہ دیا، وہی قرآن اور وہی کعبہ ہو گیا--- حضور ﷺ نے کہا بن دیکھے کہہ دو، خدا ہے، سب نے کہا، خدا ہے اور چودہ سو سال گزر گئے کسی نے خدا کو دیکھا نہیں، ہر کوئی محمد ﷺ کے کہنے پر مانتا چلا آرہا ہے، پس یہ عقیدہ ایمان ہے۔

ہر نبی اللہ عزوجل کی شان ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ، اللہ عزوجل کی سب سے بڑی شان--- اسی طرح حضور ﷺ کی امت میں ہر ولی محمد ﷺ کی شان اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کی سب سے بڑی شان ہیں--- جس نے خدا عزوجل کو اور خدا عزوجل کی شان کو دیکھنا ہو تو مصطفیٰ ﷺ کو دیکھے اور جس نے مصطفیٰ ﷺ کی امت میں مصطفیٰ ﷺ کی شان دیکھنی ہو، وہ سرکارِ بغداد حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو دیکھے---

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کون ہیں؟

امت میں حضور ﷺ کی سب سے بڑی شان کا عنوان غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہیں---

کائناتِ نبوت میں حضور ﷺ، اللہ عزوجل کی شان اور کائناتِ ولایت میں غوث اعظم رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کی شان---

میثاق نبوت اور میثاق ولایت

اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں سب انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو جمع کیا اور ان سے میثاق لیا، فرمایا:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَo﴾---[آل عمران:۸۱]

"اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا ہم نے

Scanned with CamScanner

اقرار کرلیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں'' ---

اس میثاق پر رب نے خود کو گواہ قرار دیا۔ کیوں کہ اللہ ﷻ کی سب سے بڑی شان تو مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ گویا اپنی شان پر خدا ﷻ گواہ ہے۔ حضور ﷺ کی نبوت کا معاملہ آیا تو سب نبیوں نے گردنیں جھکالیں۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''جب وعدہ ہو رہا تھا، اچانک ایک نور چمکا اور سب انبیاء کے اوپر بادل کی طرح چھا گیا تو انبیاء کرام علیہم السلام نے پوچھا، یہ نور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ﷻ نے فرمایا، جس کی نبوت کی وفاداری کا عہد کیا ہے، یہ اسی محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور ہے'' ---

گویا نبوتِ مصطفیٰ ﷺ کی بات آئی تو سب نبیوں نے گردنیں جھکا دیں اور امتِ مصطفیٰ ﷺ میں جب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بات آئی تو سب ولیوں نے گردنیں جھکا دیں۔ وہ میثاقِ نبوت تھا اور یہ میثاقِ ولایت تھا۔ حضور ﷺ کے سوا کسی اور نبی کے لیے نبیوں کی گردنیں نہ جھکیں اور سرکارِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور ولی کے لیے ولیوں کی گردنیں نہ جھکیں۔ ایک واقعہ کائناتِ نبوت میں ہوا اور ایک واقعہ کائناتِ ولایت میں ہوا۔ اس لیے میں نے کہا، نبوت کی دنیا میں حضور ﷺ اللہ ﷻ کی سب سے بڑی شان ہیں اور ولایت کی دنیا میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ، آقا ﷺ کی سب سے بڑی شان ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ تم شاہِ جیلاں غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا وظیفہ کیوں کرتے ہو؟ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم تو کچھ بھی نہیں کرتے، ہم تو صرف حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا نام پکارتے ہیں اور اس طرح حضور ﷺ کی سب سے بڑی صفت اور شان کا تذکرہ کرتے ہیں اور جب حضور ﷺ کے اوصاف اور شمائل کا ذکر کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے نام کی مالا جپتے ہیں تو حقیقت میں خدا ﷻ کی شان کا وِرد کرتے ہیں۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کی امت میں، کائناتِ ولایت میں حضور ﷺ کی سب سے بڑی شان بنایا، لہٰذا آپ کی ولایت کو ولایتِ عظمیٰ اور آپ کی غوثیت کو غوثیتِ عظمیٰ بنایا اور آپ کی قطبیت کو قطبیتِ کبریٰ سے نوازا اور اس کا اقرار حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے اللہ پاک نے 'قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ للّٰہِ' کے کلمات سے کروایا، یہ امر کسی اور کے لیے نہ کروایا۔

سب انبیاء کو معجزات دیے مگر کثرتِ معجزات حضور ﷺ کو دیے۔ 'اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ' حضور ﷺ کو اتنی کثرتیں دیں کہ کثرتیں بھی ختم ہو گئیں، کثرتوں کی انتہا کر دی۔ تو شانِ نبوت

میں کوثر، منصبِ مصطفیٰ ﷺ ہے اور شانِ ولایت میں کوثر، منصبِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہے۔ وہاں معجزات کی کثرت ہے، یہاں کرامات کی کثرت ہے۔ ولی کی ہر کرامت اس کے نبی کے معجزے کا تسلسل ہوتی ہے، ان کی ساری کرامتیں حضور ﷺ کے معجزے کے تذکرے میں لکھی جاتی ہیں۔ آقا ﷺ کے سب ولیوں کی کرامتیں حضور ﷺ کے بابِ معجزہ کی فصلیں بنتی ہیں، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ولی نبی کی شان ہوتا ہے، اس لیے قاعدہ ہے کہ ولی کی کرامت اپنے نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی جیسے نبی کا معجزہ اللہ ﷻ کی قدرت ہوتی ہے، نبی کا معجزہ رب کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے اور ولی کی کرامت نبی کے معجزے کا اظہار ہوتی ہے۔

حلقۂ ارادت میں وسعت کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے آقا کو کثرتِ امت عطا کی۔ حدیث پاک ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

جنت میں جنتیوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی، کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی امتیں ہیں، سب نبیوں کی امتوں میں کچھ نہ کچھ امتی جنت میں جائیں گے، ہر ایک کو حصہ ملے گا۔ فرمایا، کل انبیاء کی امت کے جنتی لوگوں کی ٹوٹل صفیں ۱۲۰ ہوں گی، ان ۱۲۰ صفوں میں ۸۰ صفیں میری امت کی ہوں گی اور باقی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی امتوں میں ۴۰ صفیں تقسیم ہوں گی۔ جس طرح کثرتِ امت حضور ﷺ کو عطا ہوئی، اس طرح حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو کثرتِ ارادت کی نعمت ملی۔ یعنی سلسلہ قادریہ میں کثیر تعداد میں مریدین عطا کیے گئے۔ اس کائناتِ دنیا میں جتنے مرید حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ہوئے، اوّل سے آخر تک کسی ولی کے نہ ہوئے اور نہ کبھی ہوں گے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جنھوں نے حضور ﷺ کا کلمہ پڑھا، وہ بھی حضور ﷺ کی امت ہیں اور جو حضور ﷺ سے پہلے ہو گزرے، ایمان لانے کے خواہش مند تھے مگر کلمہ نہ پڑھ سکے، وہ بھی امت میں سے ہیں اور جملہ انبیاء بھی حضور ﷺ کی امت میں سے ہیں۔ اسی طرح جنھوں نے حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ان کے سلسلہ میں بیعت کی، وہ بھی ان کے مریدوں میں ہیں اور جو اس سلسلے میں بیعت نہ کر سکے مگر گردن جھکالی، وہ بھی مرید ہو گئے۔ جو زبان سے کہہ دے 'یا غوث! میں آپ کا مرید ہوں' وہ سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کا مرید ہو گیا اور پھر وہ لاج رکھ لیتے ہیں۔

سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھنے والے تو حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے مرید ہیں ہی مگر جملہ سلاسل چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ وغیرہ کے مربی و رہنما اور مریدین بھی حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مرید اور فیض یافتہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

Scanned with CamScanner

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ لِلّٰهِ---

''میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے''---

یہ نہیں فرمایا کہ مرید کی گردن پر یا میرے سلسلے کے ہر ولی کے کندھوں پر ہے، یہ نہیں کہا بلکہ فرمایا، ہر ولی کی گردن پر ہے۔ گویا جو حضور غوثِ پاک ﷺ کو نہ مانے وہ ولی ہو ہی نہیں سکتا اور جو ولی حضور غوث پاک ﷺ کے زیرِ قدم ہونے کا انکار کردے، اگلے ہی لمحے اس سے ولایت سلب ہو جائے گی۔

سلسلہ چشتیہ اور فیضانِ غوث اعظم ﷺ

خواجۂ ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ﷺ خراسان کے پہاڑوں میں محوِ مراقبہ ہیں، آپ ﷺ نے عالمِ کشف میں دیکھا اور حضور غوثِ پاک ﷺ کا یہ فرمان سن کر اپنی گردن اور سر جھکا لیا اور عرض کیا:

''یا سرکارِ غوثِ اعظم! آپ کا قدم مبارک میری گردن پر ہی نہیں، بلکہ میرے سر اور میری آنکھوں پر ہے''---

صاحب تفریح الخاطر بیان کرتے ہیں کہ جب آپ نے یہ اعتراف کرلیا تو آپ حضور غوثِ پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، ۵۰ دن سے زائد حضور غوث پاک ﷺ کی صحبت میں اکتسابِ فیض کے لیے رہے، جب فیض پالیا تو عرض کیا:

''حضور! اب عراق مجھے دے دیں''---

فرمایا:

''معین الدین! عراق میں شہاب الدین سہروردی (سلسلہ سہروردیہ کے امام، صاحب عوارف المعارف حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی) کو دے چکا ہوں، تمھیں ہندوستان عطا کرتا ہوں''---

پس حضرت خواجہ معین الدین چشتی ﷺ کے مرید قیامت تک حضور غوث پاک ﷺ کے مرید ہیں۔ اس فیض کی لطافت سے سلسلہ چشتیہ حضور غوثِ پاک ﷺ کی شاخ اور فیضانِ غوثیت مآب کی برانچ ہوگئی۔

سلسلہ سہروردیہ اور فیضانِ غوث اعظم ﷺ

اسی طرح سلسلہ سہروردیہ کے امام حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی ﷺ فرماتے ہیں کہ میری عمر ۱۴ سال تھی، تمام عقلی و نقلی علوم میں نے پڑھ لیے، علم ظاہری میں جو کچھ تھا وہ میں نے پڑھ لیا تو میرے شیخ حضرت ابو نجیب عبد القاہر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجھے حضور سیدنا غوثِ پاک ﷺ

کی بارگاہ میں لے کر گئے اور عرض کیا:

''حضور! میرے اس بیٹے نے تمام علوم پڑھ لیے ہیں، اب فیض کے لیے آپ کی بارگاہ میں لایا ہوں''---

شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر پھیرا تو سارے علوم کا صفایا ہو گیا، اس کے بعد چند سوالات کیے کہ ان کا جواب دو، میں نے جو کچھ پڑھا تھا، کچھ بھی پاس نہ رہا، لہٰذا جواب نہ دے سکا، آپ مسکرا پڑے، فرمایا:

''پریشان نہ ہو، تختی پر کچھ لکھنا ہو تو پہلا لکھا ہوا صاف کرنا پڑتا ہے، پہلے علم تھا اب معرفت لکھیں گے''---

اس کے بعد دوبارہ دستِ اقدس رکھا تو سینہ معرفت کے سمندروں سے موجزن کر دیا۔

پس سہروردی سلسلے میں غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر قیامت تک جس کو حضرت شیخ سہروردی رضی اللہ عنہ کا فیض ملے گا، وہ فیض دراصل دستِ غوثیت مآب کا فیض ہے اور اسی طرح سب ان کے مرید ہو گئے، گویا سلسلہ سہروردیہ بھی شجرِ غوثیت کی باثمر شاخ ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ اور فیضانِ غوث اعظم رضی اللہ عنہ

تیسرا سلسلہ نقشبندیہ ہے، جس کے بانی حضرت خواجہ شاہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ عنہ ہیں۔ صاحب تفریح الخاطر نے لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ ایک سفر کے دوران شہر بخارا کے قریب سے گزرے تو اس طرف چہرۂ مبارک کیا اور کھڑے ہو کے فرمایا:

''میرے بعد شہر بخارا میں میرا بیٹا بہاء الدین (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوگا، جو میرے فیض کا امین ہوگا''---

شاہ نقشبند ۱۵۷ رسال بعد آئے اور حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کے فیض سے معمور ہوئے۔ گویا سلسلہ نقشبندیہ میں بھی حضور غوث پاک کا فیض ہے اور یہ سلسلہ نقشبندیہ بھی حضور غوث پاک کے شجرِ ولایت کی سرسبز شاخ ہے۔ اس لیے کیوں نہ کہیں:

پکارو ہر گھڑی یا غوث اعظم

حضرت شیخ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو سلسلہ نقشبندیہ کے امام ہیں، مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں:

''طریقہ ولایت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں حضور سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو

اللہ جل جلالہٗ نے پوری ولایت کا منبع اور فاتح بنایا، حضرت سیدۂ کائنات خاتونِ جنت ولایت کا منبع ہوئیں، حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہوئے، بعدازاں زین العابدین، امام محمد باقر، جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور یکے بعد دیگرے گیارہ امام آئے، ان کے ہاں سے ولایت عظمیٰ کا فیض آتا رہا اور جب حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی باری آئی تب سے لے کر آج تک اور امام مہدی کی آمد تک اب ہر ولی غوث پاک رضی اللہ عنہ کا محتاج ہے، اب سب کو غوث پاک رضی اللہ عنہ کے فیض کی ضرورت ہے"---

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

"کوئی ولی اس اس وقت تک ولی نہیں بن سکتا جب تک دفتر رسالت میں اس کی ولایت پر حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت مولا علی شیر خدا مہر نہ لگا دیں"---

گویا سب ولیوں کا مرجع غوث پاک رضی اللہ عنہ ہوئے۔

سلسلہ شاذلیہ اور فیضانِ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

عالم عرب میں اور مشہور سلسلے بھی ہیں، ان میں سے ایک سلسلہ شاذلیہ ہے، ان کے امام حضرت امام ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے وظیفہ حزب البحر کا بڑا اہم مقام ہے اور بڑے بڑے اولیاء وعرفاء پڑھتے ہیں۔ حضرت امام ابوالحسن شاذلی مغرب میں ہوئے ہیں، ان کا مزار مبارک مصر میں ہے، ان کے شیخ ابومدین غوث المغربی ہیں۔ ابومدین غوث المغربی ملک مغرب کے گاؤں فاس میں اپنے منصب پر بیٹھے تھے، جب حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے "قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ لِلّٰہِ" کا اعلان فرمایا۔ ادھر بغداد میں اعلان ہوا، غوث المغربی نے وہیں گردن کو جھکا دیا اور اطاعتِ غوث میں آگئے۔ پس سلسلہ شاذلیہ بھی حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے فیض کا ایک طریق ہے۔

سلسلہ رفاعیہ اور فیضانِ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

اسی طرح سلسلہ رفاعیہ بھی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے فیض کا سرچشمہ ہے۔ اس سلسلہ کے بانی شیخ السید احمد الرفاعی رضی اللہ عنہ ہیں، آپ مصر میں ایک سفر پر تھے کہ اچانک ایک مقام آیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے گردن زمین تک جھکا لی اور کہا:

بل علی رأسی و عینی---

"بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر بھی ہے"---

سب نے پوچھا، حضور! یہ کیا ماجرا ہے؟ فرمایا:

''تمھیں کیا خبر، آج بغداد کے منبر پر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان جاری کیا ہے کہ 'ہر ولی کی گردن پر میرا قدم ہے'، میں نے گردن جھکائی ہے تاکہ ولایت رہ جائے، ولایت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے قدموں کی محتاج ہے''---

پس سلسلہ رفاعیہ بھی شجرِ ولایت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے فیض کی شاخ ہے۔

مرتبہ نبوت ہو تو ہر طرف فیض رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اور مرتبہ ولایت ہو تو ہر طرف فیض غوث العالمین رضی اللہ عنہ کا ہے۔

لوگ تو فقط غوث الثقلین کہتے ہیں، میں کہتا ہوں وہ تو:

جن وانس کے غوث ہیں--- سب جہانوں کے غوث ہیں---

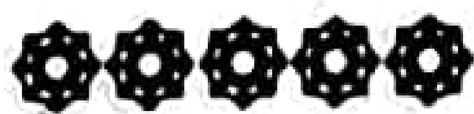
تمام انسانوں کے غوث ہیں--- سب ولیوں کے غوث ہیں---

کیوں کہ ان کا فیض حقیقت میں فیضِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بات تو ساری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی ہے، جب کل عالم میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا فیض ہے، پھر کیوں نہ کہیں غوث پاک رضی اللہ عنہ مرتبہ ولایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی شان ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے اس بیٹے رضی اللہ عنہ کو کائناتِ ولایت میں غوث العالمین بنایا۔

بعض اولیاء اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے:

''جب کسی کے لیے ولایت کا فیصلہ ہونے لگتا ہے تو سب سے پہلے اس کی فائل بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کی جاتی ہے، آپ فرماتے ہیں، میرے بیٹے عبدالقادر (رضی اللہ عنہ) کے پاس لے جاؤ، جس منزل پہ چاہے گا، فائز کردے گا، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دستخط سے ولی Appoint (مقرر) ہوتا ہے اور توثیق کے لیے پھر فائل بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاتی ہے، حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے دستخطوں کو دیکھ کر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دستخط ثبت ہوتے ہیں''---

کائناتِ نبوت میں اللہ تعالیٰ کی مثلِ اعلیٰ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، کائناتِ ولایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثلِ اعلیٰ حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے دامن سے وابستگی، ان کی نوکری اور ان کی خیرات پر پلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

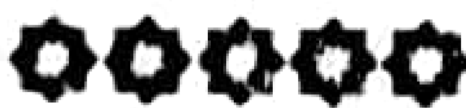


حمد و نعت

نبی جی، خلدِ طیبہ کی ہواؤں میں مجھے رکھنا — شبِ آخر کی نم دیدہ دعاؤں میں مجھے رکھنا
گھڑی ہے فیصلے کی اور قلم ہے شر کے ہاتھوں میں — حضور! اپنے کرم کی انتہاؤں میں مجھے رکھنا
زمینِ جاں بلب پر کھل کے جو برسیں مرے آقا! — افق پر مسکراتی اُن گھٹاؤں میں مجھے رکھنا
مری خاموشیاں بھی داستاں کہہ دیں گی رو رو کر — درِ اقدس کے منگتوں، بے نواؤں میں مجھے رکھنا
سرِ محشر، نبی جی! حوضِ کوثر کے کنارے پر — صدا دیتے ہوئے، پیاسے گداؤں میں مجھے رکھنا
تلاشِ امن میں نکلا ہوا زخمی پرندہ ہوں — نبی جی! عافیت کی فاختاؤں میں مجھے رکھنا
جہاں حسان جیسے شاعروں کے میں قدم چوموں — چمن زارِ ثنا کی، اُن فضاؤں میں مجھے رکھنا
جو اپنے بادبانوں پر، نبی ﷺ کا نام لکھتے ہیں — خدایا! با ادب، اُن ناخداؤں میں مجھے رکھنا
سوا نیزے پہ خورشیدِ مسائل آج بھی برسا — گھنے پیڑوں کی ٹھنڈی ٹھار چھاؤں میں مجھے رکھنا
مرا دعویٰ محبت کا، صداقت پر نہیں مبنی — غلامانِ محمد کی اداؤں میں مجھے رکھنا
میں بزدل ہوں مگر تجھ سے دعا ہے قادرِ مطلق! — حسین ابن علی ؑ کی کربلاؤں میں مجھے رکھنا
کوئی گلیوں میں کہتا پھر رہا تھا اے خدا میرے — کسی مظلوم انساں کی صداؤں میں مجھے رکھنا
میں خود افلاس کے لمبے سفر سے آج لوٹا ہوں — غریبِ شہرِ زر کی التجاؤں میں مجھے رکھنا

بچا لینا ریاضِ خستہ جاں کو کبر و نخوت سے
مگر غیرت کی مظہر، سب اناؤں میں مجھے رکھنا

ریاض حسین چودھری



محبوبِ سبحانی رضی اللہ عنہ

نرالی ہے جہاں میں شان و شوکت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی
انوکھی بردباری اور قناعت ، غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

حسن سے باپ کی نسبت ، حسینی ماں کے رشتے سے
مسلّم دونوں جانب سے نجابت ، غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

امامِ عسکری نے جبہ چھوڑا ، آپ کی خاطر
جنیدِ باصفا نے دی بشارت ، غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

سبھی رہزن ہوئے تائب ، ولایت مل گئی سب کو
جو دیکھی عہدِ طفلی میں صداقت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

کیا دینِ مبیں زندہ ، لقب پایا ہے محی الدیں
ہے سمائے جہاں پر نقش عظمت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

بنایا چور کو ابدال ، روکا سیلِ دجلہ کو
ہوئی کس کس طرح ظاہر ، فضیلت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

قدم سرکار کا ہے گردنِ اقطابِ عالم پر
رہے گی تا ابد جاری ، ولایت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

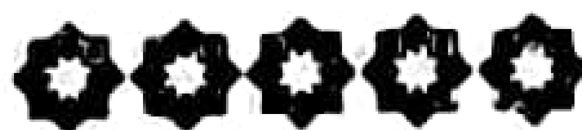
رہا بیداریٔ شب کا مبارک سلسلہ برسوں
مثالِ روزِ روشن ہے ، ریاضت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

مواعظ آپ کے شمشیرِ برّاں کفر کے حق میں
نہیں رکھتی جواب اپنا ، خطابت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

"مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ" کس نے کہا ہے ، شاہِ جیلاں نے
کلیدِ بخشش و رحمت ہے نسبت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

تنِ اُمت میں پھونکی روحِ ایماں ، آپ نے تائبؔ
یہی کیا کم ہے دنیا میں کرامت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

پروفیسر حفیظ تائبؔ



خدا خود بانٹتا ہے آج صدقہ غوث اعظم کا

خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوثِ اعظم کا
ہمیں دونوں جہاں میں ہے سہارا غوثِ اعظم کا

بلیات و غم و افکار کیوں کر گھیر سکتے ہیں
سروں پر نام لیوں کے ہے پنجہ غوثِ اعظم کا

مُرِیدِیْ لَا تَخَفْ کہہ کر تسلی دی غلاموں کو
قیامت تک رہے بے خوف بندہ غوثِ اعظم کا

جو اپنے کو کہے میرا، مریدوں میں وہ داخل ہے
یہ فرمایا ہوا ہے میرے آقا غوثِ اعظم کا

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے، بغداد والے کے
مصیبت ٹال دینا کام کس کا؟ غوثِ اعظم کا

جہازِ تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا
وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوثِ اعظم کا

گئے اِک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا
سمجھ میں آ نہیں سکتا معما غوثِ اعظم کا

شفا پاتے ہیں صدہا جاں بلب امراضِ مہلک سے
عجب دار الشفا ہے آستانہ غوثِ اعظم کا

نہ کیوں کر اولیاء اس آستانے کے بنیں منگتا
کہ اقلیم ولایت پر ہے قبضہ غوثِ اعظم کا

بلا کر کافروں کو دیتے ہیں ابدال کا رتبہ
ہمیشہ جوش پر رہتا ہے دریا غوثِ اعظم کا

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ سے یہ ظاہر ہے
کہ عالم میں ہر اک شے پر ہے قبضہ غوثِ اعظم کا

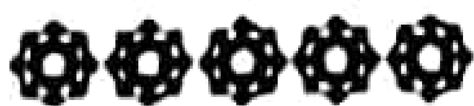
وَ وِلَایَتِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا صاف کہتا ہے
کہ ہر اک قطب ہے عالم میں چیلا غوثِ اعظم کا

فحکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر — تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوثِ اعظم کا
سلاطینِ جہاں کیوں کر نہ ان کے رعب سے کانپیں — نہ لایا شیر کو خطرے میں کتا غوثِ اعظم کا
ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہلِ مجلس پر — جو پایا ابرِ باراں نے اشارہ غوثِ اعظم کا
نیا ہفتہ، نیا دن، سالِ نو جس وقت آتا ہے — ہر اک پہلے بجا لاتا ہے مجرا غوثِ اعظم کا
جو حق چاہے وہ یہ چاہیں، جو یہ چاہیں وہ حق چاہے — تو مٹ سکتا ہے پھر کس طرح چاہا غوثِ اعظم کا
وہ کہہ کر قُمْ باذن اللہ جلا دیتے ہیں مردوں کو — بہت مشہور ہے احیائے موتیٰ غوثِ اعظم کا
سفر سے واپسی میں دینِ اقدس کو کیا زندہ — **محی الدین** ہوا یوں نام والا غوثِ اعظم کا
جو فرمایا کہ دوشِ اولیاء پر ہے قدم میرا — لیا سر کو جھکا کر سب نے تلوا غوثِ اعظم کا
دمِ فرماں خراساں میں معین الدین چشتی نے — جھکا کر سر، لیا آنکھوں پہ تلوا غوثِ اعظم کا
نہ کیوں کر سلطنت دونوں جہاں کی ان کو حاصل ہو — سروں پر اپنے لیتے ہیں جو تلوا غوثِ اعظم کا
لعاب اپنا چٹایا احمدِ مختار ﷺ نے ان کو — تو پھر کیسے نہ ہوتا بول بالا غوثِ اعظم کا
رسول اللہ ﷺ نے خلعت پہنایا برسرِ مجلس — بجے کیوں کر نہ پھر عالم میں ڈنکا غوثِ اعظم کا
محرر چار سَو مجلس میں حاضر ہو کے لکھتے تھے — ہوا کرتا تھا جو ارشادِ والا غوثِ اعظم کا
اگرچہ مرغ سب کے بول کر خاموش ہوتے ہیں — مگر ہاں مرغ بولے گا ہمیشہ غوثِ اعظم کا
ہمارا ظاہر و باطن ہے ان کے آگے آئینہ — کسی شے سے نہیں عالم میں پردہ غوثِ اعظم کا
پڑھی لاحول اور شیطاں کے دھوکے کو کیا غارت — علوم و فضل سے وہ نور چمکا غوثِ اعظم کا
قصیدے میں جنابِ غوث کے دیکھو نظرٹک کو — تو سوجھے دور کی، ظاہر ہو رتبہ غوثِ اعظم کا
رہے پابندِ احکامِ شریعت ابتدا ہی سے — نہ چھوٹا شیر خواری میں بھی روزہ غوثِ اعظم کا
ہے جب عرشِ الٰہی پہلی منزل ان کے زینہ کی — تو پھر کس کی سمجھ میں آئے رتبہ غوثِ اعظم کا
محمد (ﷺ) کا رسولوں میں ہے جیسے مرتبہ اعلیٰ — ہے افضل اولیاء میں یوں ہی رتبہ غوثِ اعظم کا
عطا کی ہے بلندی حق نے اہل اللہ کے جھنڈوں کو — مگر سب سے کیا اونچا پھریرا غوثِ اعظم کا
مری جاں کندنی کا وقت راحت سے بدل جائے — سرِ بالیں اگر ہو جائے پھیرا غوثِ اعظم کا
رہائی مل گئی اس کو عذابِ قبر و محشر سے — یہاں پر مل گیا جس کو وسیلہ غوثِ اعظم کا
یہ سنتے ہی نکیرین اس پہ کچھ سختی نہیں کرتے — لکھا ہوتا ہے جس کے دل پہ طغرا غوثِ اعظم کا

عزیزو کر چکو تیار جب میرے جنازے کو — تو لکھ دینا کفن پر نام والا غوثِ اعظم کا
لحد میں جب فرشتے مجھ سے پوچھیں گے تو کہہ دوں گا — طریقہ قادری ہوں ، نام لیوا غوثِ اعظم کا
ندا دے گا منادی حشر میں یوں قادریوں کو — کدھر ہیں قادری، کرلیں نظارا غوثِ اعظم کا
چلا جائے بلا خوف و خطر فردوسِ اعلیٰ میں — فقط اِک شرط ہے، ہو نام لیوا غوثِ اعظم کا
فرشتو روکتے ہو کیوں مجھے جنت میں جانے سے — یہ دیکھو ہاتھ میں دامن ہے کس کا؟ غوثِ اعظم کا
جنابِ غوث دولہا اور براتی اولیاء ہوں گے — مزا دکھلائے گا محشر میں سہرا غوثِ اعظم کا
یہ کیسی روشنی پھیلی ہے میدانِ قیامت میں — نقاب اٹھا ہوا ہے آج کس کا، غوثِ اعظم کا
یہ قیدی چھٹ رہے ہیں اس لیے میدانِ محشر میں — خدا خود بانٹتا ہے آج صدقہ غوثِ اعظم کا
گزاری کھیل میں کل، اب ہوئی اعمال کی پرسش — مگر کام آ گیا اس دم وسیلہ غوثِ اعظم کا
کبھی قدموں پہ لوٹوں گا، کبھی دامن پہ مچلوں گا — بتا دوں گا کہ یوں چھٹتا ہے بندہ غوثِ اعظم کا
ٹھکانا اس کے نیچے یا خدا مل جائے ہم کو بھی — کھڑا ہو حشر میں جس وقت جھنڈا غوثِ اعظم کا
خداوندا دعا مقبول کر ہم روسیاہوں کی — گناہوں کو ہمارے بخش، صدقہ غوثِ اعظم کا
مری پھوٹی ہوئی تقدیر کی قسمت چمک جائے — بنائے مجھ کو اپنا سگ جو کتا غوثِ اعظم کا
صدائے صور سن کر قبر سے اٹھتے ہی پوچھوں گا — کہ بتلاؤ کدھر ہے آستانہ غوثِ اعظم کا
کچھ اِک ہم ہی نہیں ہیں آستانِ پاک کے کتے — زمانہ پل رہا ہے کھا کے ٹکڑا غوثِ اعظم کا
نبی نورِ الٰہی اور یہ نورِ مصطفائی ہیں — تو پھر نوری نہ ہو کیوں کر گھرانا غوثِ اعظم کا
نبی کے نور کو گر دیکھنا چاہے انہیں دیکھے — سراپا نورِ احمد ہے سراپا غوثِ اعظم کا
رسول اللہ کا دشمن ہے غوثِ پاک کا دشمن — رسول اللہ کا پیارا ہے پیارا غوثِ اعظم کا
مخالف کیا کرے میرا کہ ہے بے حد کرم مجھ پر — خدا کا ، رحمۃ للعٰلمین کا ، غوثِ اعظم کا

جمیلؔ قادری سو جاں سے ہو قربان مرشد پر
بنایا جس نے تجھ جیسے کو بندہ غوثِ اعظم کا

مولانا محمد جمیل الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ



حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

معلّم و مزکی

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

ابو الانبیاء حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ساری زندگی اطاعت شعاری کی عظیم برہان بن کر گزاری۔ امتحان مسلسل میں پیکر رضا کا اسوہ پیش کیا کہ آج تک اس کی یاد، حسن عمل کا معیار قرار پایا ہے۔ ابتلاء وامتحان سے کامیاب گزر کر عصمت نبوت کا ثبوت فراہم کیا تو اس صاحب زادے کی معاونت سے مرکز توحید کی بنیاد رکھی جو ابھی معصومیت کی دہلیز پر کھڑا تھا۔ اس طرح وہ گھر تعمیر ہوا جس کی اساس میں عملی اور فطری معصومیت کا جمال یک جا ہو گیا تھا۔ یہ مرحلہ تھا کہ آرزوؤں اور تمناؤں کی بساط بچھائی جائے اور آنے والی نسل کی استقامت طلب کی جائے تا کہ نور و نکہت کا یہ قافلہ رواں دواں رہے۔ رحمت کے بادلوں اور قرب کے لمحوں میں ایک دعا معصومین کے لبوں پر جاری ہوئی، جس نے آنے والے ادوار کو نور حق کی جلوہ نمائیوں کا پیغام دیا۔ عرض کیا:

﴿رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾---[البقرۃ:۱۲۹]

Scanned with CamScanner

''اے ہمارے رب! ان (یعنی مسلمان امت) میں انہی میں سے ایک رسول محترم مبعوث فرمادے جوان پر تیری آیات کی تلاوت کرتا ہواورانہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہواورانہیں پاک کرتا ہو، بے شک تو غلبہ والا حکمت والا ہے''---

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعثت رسول ﷺ کی بھی دعا کی اور رسول اکرم ﷺ کی چہارگانہ ذمہ داریوں کا بھی اعلان کیا۔ یہ دعا قبولیت کی تمام برکات کے ساتھ ظاہر ہوئی تو قبول کرنے والے پروردگار نے خود اس کا اعلان کردیا، ارشاد ہوا:

﴿ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾---[الجمعۃ:۲]

''وہ ذات باری جس نے امیوں میں ان ہی سے ایک رسول مکرم (ﷺ) کو مبعوث فرمایا تو وہ ان پر اس پروردگار کی آیات تلاوت کرتا ہے اورانہیں پاک کرتا ہے اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے''---

بعثت کہاں ہوئی، کس کی طرف ہوئی اور کن مقاصد کے لیے ہوئی؟ ایک ہی آیت کریمہ میں واضح کردیا گیا۔ ہاں اس بعثت کی حیثیت کیا ہے، اس کی منزلت کیا ہے اس کا اظہار یوں فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾---[آل عمران:۱۶۴]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر احسان فرمایا جب ان کے نفوس میں سے رسول محترم (ﷺ) کو ان میں مبعوث فرمایا، جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اوران کو پاک کرتے ہیں اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''---

اس آیت کریمہ میں بعثت کی عظمت کا اعلان ہوا اور ایمان داروں کے حوالے سے احسان بخشی کا بھی ذکر کیا گیا تا کہ واضح ہوجائے کہ نبی رحمت ﷺ یوں تو آفاق کے نبی ہیں اوران کو تعلیم دینے کے لیے آئے تھے جو علم کے نور سے محروم چلے آرہے تھے، مگر بالفعل رحمت واحسان کے مستحق وہی خوش قسمت قرار پائے جو دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور تسلیم ورضا کی رفعتوں سے سرفراز ہوئے۔

آیات پر غور کرنے سے یہ بھی ایک نمایاں تبدیلی کردی گئی، وہ یہ کہ ایک دعا میں تعلیم کتاب وحکمت

کا ذکر تزکیہ نفوس کے بیان سے پہلے تھا، جب کہ قبولیت کے اعلان میں تزکیہ نفوس کو سبقت حاصل ہو گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ تزکیہ پہلے چاہیے تا کہ کتاب وحکمت کی تعلیم کا مرحلہ ایک درسی مشق نہ بن جائے بلکہ قلب ونظر کا وظیفہ قرار پائے۔ تقدیم وتاخیر کے اس عمل نے قارئی کو متنبہ کر دیا کہ تلاوت آیات کے اثرات قلوب واذہان پر یوں مرتب ہونے چاہئیں کہ یہ سرزمین دل، کتاب وحکمت کے انوار قبول کر لینے کی استطاعت پالے تا کہ تعلیم صرف معلومات کی افزودگی کا باعث نہ رہے، بلکہ واردات قلب بن جائے کہ یہی مقصود ہے اور ایسا علم ہی مشاہدہ کی رفعت سے سرفراز ہوتا ہے۔

آیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منصب ہدایت، چہارگانہ اعمال سے تکمیل پاتا ہے۔ ان چاروں مدارج کی ترتیب کے ساتھ تکمیل ہی پیغامبر ہدایت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں، یہ مقاصد راہ حق کے ہر راہ رو کا مطلوب ہیں، حتی کہ نبی اکرم ﷺ خاتم الانبیاء کے منصب سے سرفراز ہو کر تشریف لائے اور ان مقاصد کی تکمیل فرمائی۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے سلسلہ نبوت اپنے عروج کو پہنچا اور نامہ بری کی تکمیل ہوئی۔ اب ان مناصب کی بجا آوری ان کاملین کے ہاتھوں سے ہوتی رہے گی جو اپنے کردار کے حوالے سے اتباع رسالت کی عظمت پالیں گے۔ جو جس قدر قرب سے نوازا جائے گا، اسی قدر اس وراثت نبوت کا حق دار قرار پائے گا۔

تلاوتِ آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت درحقیقت تعمیر کردار وسیرت کے حوالے ہیں کہ زبان کا عمل، خارج تک محدود نہ رہے، داخل کا انقلاب بن جائے، تا کہ الکتاب کے رموز اور الحکمة کے درشہ سوار انسانی زندگی کو فیض رساں بنا دیں۔ اندر کی رعنائی ظاہر کے حسن میں ڈھل جائے اور ظاہر وباطن میں عبدیت کے جلوے رونما ہونے لگیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ظاہر وباطن کے عدم توازن نے کئی بار شرف انسانی کو داغ دار کیا ہے۔ اسلام کامل ضابطۂ حیات ہے، اس میں حسناتِ دنیا اور حسناتِ آخرت کی خواہشیں اسی طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو گئی ہیں کہ پوری زندگی کو محیط ہو گئی ہیں۔ یہ پیوستگی حسن عمل کا مقصود ہے اور ''اسوۂ رسول اکرم ﷺ اس حسن عمل کی معراج ہے''۔ آپ ﷺ کا ہر عمل اور آپ ﷺ کا ہر رویہ تلاش احسن کے راہ نوردوں کے لیے راہنما ہے، اس لیے کہ حسن نظر اور حسن عبادت کی خیرات اس حسن تمام کی بارگاہ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حسن تمام کے اولین حوالے ہیں کہ ظاہر وباطن کی حسنات کے امین ہیں، اسی لیے آسمان ہدایت کے ستارے کہے گئے ہیں۔

حسن عمل کا یہ سفر مسلسل جاری رہا ہے، ایک عمل ہے اور ایک رویہ ہے۔ صوفیہ کا کام نبوت کے چہارگانہ مناصب کو اپنے ذوق عمل سے وسعت بخشا تھا۔ تصوف کے جملہ سلاسل پر نظر ڈالیے، محبت کی افزونی، اصلاح وفلاح کا ذوق، اعتماد کی بالیدگی اور دعوت وارشاد کی پاکیزگی قائم رہی۔ یہ ضرور ہوا کہ دلچسپیوں کا تنوع بعض اعمال ومیلانات میں تفاوت کا منظر پیش کرتا رہا۔ یہ تفاوت علماء وصوفیہ کے ہاں بھی نظر آیا۔ مگر یہ صرف طریق کار کا اختلاف ہے، اہداف کا الجھاؤ یا نظریات کا تصادم نہیں۔ قاریٔ آیات، عالم بھی تھا اور صوفی بھی، یہ تقسیم صرف اضافی حوالہ ہے اور شناخت کی سہولت ہے، وگرنہ تلاوت آیات، تزکیہ نفوس اور تعلیم کتاب وحکمت کے بغیر نہ صوفی کا وجود ہے نہ عالم کا۔
امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نام سے پہلا تاثر یہ ابھرتا ہے کہ آپ بلند پایہ فقیہ ہیں، مگر آپ کی فقاہت آپ کے باکمال صوفی ہونے کی نفی نہیں۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے پیران پیر اور سردار اصفیاء کا خیال آتا ہے مگر یہ خیال آپ کے بلند پایہ عالم وفاضل ہونے کو رد نہیں کرتا، ایک حوالہ کا معروف ہوجانا دوسرے کی نفی نہیں کرتا۔ عالم ہو یا صوفی دونوں کے لیے ایک ہی وجود اسوۂ کامل ہے۔ مرکز نگاہ ایک ہے، سفر بھی ایک جانب ہے، البتہ راستے میں قدرے متفاوت رویے، میلان طبع کے اثرات ہیں، اہداف کے انتشار کے نہیں۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ یک رنگی کے اس سفر میں کئی دوں ہمت اور شپرہ چشم شامل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ داخل کی پیوست نے علم کا غرور پیدا کیا تو نظری اضطراب نے علم رسالت سے بےخبر رکھا۔ اس طرح دنیاوی مفادات نے علماء وصوفیہ کے بعض ایسے دعوے دار پیدا کردیے جو وراثت نبوت سے محروم قرار پائے تھے، کئی بہروپ تیار ہوئے اور کئی رنگ بدلے گئے، اس نفس پرستی نے معاندنت کی فضا کو جنم دیا اور عالم وصوفی دو گروہوں میں بٹ کر برسرپیکار ہوئے، اس ناپسندیدہ فضا نے انگشت نمائی کا حوصلہ دیا اور طعنہ زنی کا موقع عطا کیا۔
بحمد اللہ تعالیٰ ان تمام مخاصمانہ کاوشوں کے باوجود علماء حق اور صوفیہ باصفا نے اپنے منصب کی نزاکت کو سمجھا اور ہر دور میں راہ حق کے مسافروں کے لیے شجر سایہ دار کا اہتمام کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو روح کی بالیدگیوں سے بہرہ مند اور عمل کی استواری وتقویم سے آشنا تھے۔ ایسے ہی برگزیدہ افراد دنیا کے امام، حکمت ودانش کے امیر، صیانت عقیدہ اور استقلال عمل کے بطل جلیل حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، جن کی عظمت کا اک زمانہ معترف ہے اور جن کی نسبت پر اک جہان ناز کرتا ہے۔ اولیاء کے پیشوا، صوفیہ کے سرخیل، مبلغین کے سردار اور اتباع رسالت کے علم بردار حضرت غوث اعظم علیہ الرحمۃ کی ذات بے پایاں خوبیوں کی حامل اور بےشمار حسنات کی جامع ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیلان کے علاقہ کی ایک بستی نیف میں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو سلسلہ انساب کے معزز تر حوالوں سے نیک نام تھا۔ والد گرامی ابو صالح موسیٰ جنگی دوست اپنے دور کے حسنی بزرگ تھے، جن کی شہرت ایک پاک باز اور صالح انسان کی تھی۔ آپ کی والدہ ام الخیر فاطمہ اس دور کے معروف واعظ، عالم اور صاحب سجادہ حضرت ابو عبد اللہ الصومعی علیہ الرحمہ کی صاحب زادی تھیں، جو جیلان کے حسینی سادات میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان نسبتوں نے آپ کو دنیائے اسلام کے لائق احترام اور مرجع عقیدت سلسلۂ نسب کا مقام اتصال بنا دیا تھا کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ ﷛ اور حضرت امام حسین ﷛ کے فیضان کو ایک وجود میں مجتمع ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہو گیا تھا۔ سوچیے! خاندانی طور پر اس سے بڑا مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسلی برتری اور روحانی عظمت جب ایک وجود میں جلوہ گر ہو جائیں تو وہی کچھ ہوتا تھا جو حضرت غوث اعظم ﷛ کی ذات سے ہویدا ہوا۔

پانچویں صدی ہجری، مسلم حکومت کے دور عروج کی باقیات پر مشتمل تھی کہ وہ جلال شاہی نہ رہا تھا جو منصور یا ہارون کے دربار کا حوالہ کہلاتا تھا اور وہ علمی جمال بھی پوری قوت سے باقی نہ رہا تھا، جو مامون کے ذوقِ علمی کی میراث تھا۔ ایسا ماحول اور پھر عجم کی سرزمین نے ایک وجودِ مسعود کی آمد کی خبر سنی، آمد کا پہلا لمحہ ہی تشکیک محیط کے ازالہ کا باعث بنا۔ جاننے والوں کو یقین ہونے لگا کہ کوئی اتباعِ شریعت کا علم اٹھائے ان کے درمیان آ گیا ہے۔ والد گرامی کا انتقال ابتدائی ایام تربیت ہی میں ہو گیا تو پرورش کا سارا بوجھ والدہ کے کندھوں پر آ پڑا۔ والدہ محترمہ چوں کہ نسبت کا وقار اور تربیت کا حسن سمیٹے ہوئے تھیں، اسی لیے اس باحوصلہ ماں نے آپ پر بے سہارگی کا سایہ نہیں پڑنے دیا۔ جد مادری کا علمی و روحانی سایہ بہت سی حسنات کا موجب بنا، مقامی علماء سے رابطہ ہوا کہ آنے والا وجودِ مسعود، داخل و خارج کا مظہر تھا۔ جب جیلان کی تنگ نائے اس آفاق گیر نوجوان کی جولان گاہ کا حق نہ ادا کر سکی تو والدہ سے علم کی تلاش میں سرگرم رہنے کے لیے بغداد جانے کی اجازت چاہی۔ بغداد 'عروس البلاد' ہی نہ تھا کہ اسے اقتدار کی مرکزیت حاصل تھی، بلکہ مرکز علم و دانش بھی تھا کہ شرق و غرب سے حاملین علم اسی کا رخ کر رہے تھے۔ والدہ کے لیے یہ لمحہ یقیناً کٹھن تھا کہ باپ کی عدم موجودگی نے اس صاحبزادے کی رفاقت کو ضروری بنا دیا تھا۔ ماں کی مامتا، رشتے کی نزاکت، فاصلوں کا بعد اور دوبارہ ملاقات کا ابہام پریشان کن تھا، مگر اس گھرانے کو ان رشتوں سے بالاتر ہو کر قومی اصلاح کا منصب سنبھالنا تھا، اس لیے قومی فریضہ نبھانے کا عہد اس مشکل راہ پر چلنے کا محرک بنا۔ بیٹے کا

Scanned with CamScanner

علم کے اشتیاق کے لیے سراپا سپاس ہو جانا، ماں کو قائل کر گیا۔ اس لیے کہ ماں کی رگوں میں حضرت ابوعبداللہ الصومعی علیہ الرحمہ کا پاک خون گردش کر رہا تھا۔ اجازت دے دی گئی، الوداع کہنے کے لیے باہر تک آئیں اور مناسب حال جملہ کہہ دیا:

''تمہاری جدائی اللہ تعالیٰ کی راہ کے لیے قبول کرتی ہوں''---

قبول کرنے کا یہ اعلان صرف لفظوں کی دروبست کا مسئلہ نہ تھا، ایک حقیقت ماں کے سامنے مبرہن تھی، اس لیے فرمایا:

''اب قیامت تک تمہیں نہ دیکھ سکوں گی''---

یہ جذباتی اعلان حتمی بھی تھا، مستقبل کے حالات کا تجزیہ بھی تھا اور قیامت کے روز کامرانی کی نوید بھی۔ جب مائیں یوں قربانیوں کا جذبہ اپنا مشن بنا لیتی ہیں اور اس طرح دوربینی کا منصب سنبھال کر تاریخی فیصلے کرتی ہیں تو شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے غوثِ اعظم کا وجود تشکیل پاتا ہے۔ والدہ محترمہ نے اجازت کو ایک عہد کے ساتھ مشروط کر دیا کہ بیٹا شاہراہِ علم کے راہی بنے ہو تو مادی کفالت کے لیے چالیس دینار ساتھ لے جاؤ کہ یہی شریعت کے مطابق تمہارے باپ کے چھوڑے ہوئے اسی (۸۰) دینار میں سے تمہارا حصہ ہے کہ باقی دوسرے صاحبزادے کے لیے ہیں۔ تقسیم ترکہ کا مشکل ترین مرحلہ خوش اسلوبی سے حل کر کے رخصت ہونے والے بیٹے کو حدود آشنائی کا درس دے دیا۔ روحانی تربیت کے لیے ایک وعدہ لے لیا:

''بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا، سچ کو شعارِ حیات بنانا کہ صداقت شعاری ہی ہر بڑے مرحلے کی تمہید ہوا کرتی ہے''---

روایات یاد دلاتی ہیں کہ راستے میں ہی اس صداقت کے عہد کا امتحان ہو گیا اور مادی کفالت پر انحصار کا بھی۔ ایک ہی مرحلے میں خلوص، صداقت اور استقامت کئی بدکرداروں کو راستی کا پیغام دے گئی۔ آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں ایک مسافر طالب علم ہوتے ہوئے بھی لمبی عمروں کی ریاضت کا وقار دکھایا اور ثابت کر دیا کہ علم کی راہ پر نکلنے والوں کا زادِ سفر درہم و دینار نہیں، کردار کی عظمت ہے۔ اگر علم، صداقت آشنا ہے تو منار ثابت ہوتا ہے۔ یہ عظمت تب حاصل ہوتی ہے جب دولت گدڑی میں تو رہے، قلب و روح پر شب خون نہ مارے۔ تزکیہ نفس کی یہی منزل ہر دور کی ضرورت ہے، اسی کے لیے ان آغوشوں کی تلاش چاہیے جہاں تقویٰ پلتا ہے اور صداقت جنم لیتی ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ ۴۸۸ھ کو اٹھارہ سال کی عمر میں راستوں کے غبار پر صداقتوں کا نور

بکھیرتے ہوئے بغداد داخل ہوئے۔ ایک طالب علم جو علم کی ہر شاخ کو اسیر کر لینا چاہتا ہے، 'عروس البلاد' کے ہر عالم کے دروازے پر گیا، جہاں علم کا کوئی نور دمکتا تھا۔ مومنانہ جمال کے ساتھ شاہراہِ علم کا یہ راہی، ہونہار بھی تھا، ثابت قدم بھی اور علم کی عظمتوں سے آگاہ بھی۔ اس دور کے علوم پر ایک نظر ڈال لیجیے؟ کس سے صرفِ نظر ہوا۔ تفسیر قرآن مجید کا ذوق تو ایک مسودہ تفسیر کی تحریر کا محرک ثابت ہوا۔ حدیث کی رعنائیوں کو سمیٹنے والا متلاشیِ علم، ہر محدث کے سامنے عاجزانہ حاضر رہا۔ دینِ متین کو قرآن و حدیث کی بنیاد پر سمجھنے کا ذوق فقہاء کے آستانوں پر لے گیا۔ فہم مسائل کا ذوق اتنا پروان چڑھا کہ مدتوں فتاویٰ نویسی کی مسند بچھائے رکھی۔ ادب، عروض، صرف، نحو اور فصاحت و بلاغت کے تمام گوشے بے نقاب ہوتے گئے۔ ابوسعید المخرمی علیہ الرحمہ سے علم کی میراث بھی پائی اور وجد و کیف کا سلیقہ بھی سیکھا۔ علم صرف معلومات نہ رہا، واردات کا روپ دھارتا گیا۔
آج کا طالب علم حیرت زدہ ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی علم کے لیے تڑپ کس قدر فزوں تھی کہ اکاون برس کی عمر ہونے کو آئی مگر تلاش علم جاری ہے۔ آج کے آٹھ سالہ نصاب کا امیدوار کس قدر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنی عمر کے آٹھ سال سجادۂ علم پر گزارے ہیں۔ آج یونی ورسٹیوں کا عالم سولہ سالہ دورانیہ کو اک عمر گردان کر فخر کرنے لگتا ہے، مگر اس صاحب عزیمت کا عمل بھی دیکھیے جو اپنے دور کا ذہین ترین طالب علم تھا، جس نے ماما کا سایۂ شفقت اس لیے قربان کر دیا تھا کہ اسے شجر علم سے فیض یاب ہونا تھا۔ ابتدائی عمر کے اٹھارہ سال جو وطن مالوف میں گزارے اور تینتیس (۳۳) سال بغداد کے دارِ علم میں، جو وقت و مقام کے اسیر نہ رہے تھے، یوں اکاون سال کمال ایمانی جذبوں کے ساتھ اور پوری دیانت داری کے ساتھ بارگاہ علم کے سامنے رکھ دیے اور ثابت کر دیا کہ مومن کی میراث ہی علم ہے اور انبیاء کی وراثت علم ہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام درہم و دینار نہیں چھوڑتے، علم کے خزانے نسلوں کو منتقل کرتے ہیں۔
حیرت ہے کہ نبی آفاق ﷺ کا خزانۂ علم کس قدر بے محیط تھا کہ صدیاں گزر گئیں ہر عالم اسی خزینۂ علم سے علم کی خیرات مانگ رہا ہے مگر علم کا خزانہ اسی طرح اب بھی دعوت فیض دے رہا ہے۔
حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اسی معمورۂ علم کے متلاشی تھے۔ مناصب چہارگانہ کو زندگی کا مشن بنایا، تلاوت کی لذتوں سے بہرہ مند ہوئے اور دوسروں کو لذتوں سے آشنا کرتے رہے۔ تزکیہ نفوس کی وہ مسند بچھائی کہ ایک عالم امڈ آیا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے رویے نے ثابت کر دیا کہ معلم کے لیے لازم ہے کہ پورے خلوص اور بے تکان ہمت سے علم حاصل کرے اور ظن و تخمین یا محض خیال و تصور

سے نتائج اخذ نہ کرے، بلکہ اسے اعتماد کی دولت کی تلاش کرنا چاہیے اور کوتاہیٔ علم پر پردہ ڈال کر نمود و نمائش کی خاطر مسندِ علم نہ بچھا لینی چاہیے۔ علم کامل ایمان داری سے حاصل کیا جاتا ہے اور پھر مکمل دیانت داری سے قوم کو منتقل کیا جاتا ہے۔ شک و ریب جہاں بھی در آئے گا، علمی دنیا پر بے توفیقی کا عفریت منڈلانے لگے گا۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگارشات کا حرف حرف ان کی دیانت علمی کا شاہکار ہے، آپ کے اس علمی رویے نے وہ خلیج پاٹ دی جو علماء و صوفیہ کے درمیان حائل ہوتی جا رہی تھی اور مجادلت کی فضا محسوس ہونے لگی تھی۔ آپ نے جب مسند درس بچھائی تو بغداد علمی جدلیت کا میدان تھا۔ حکومت اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی تھی، علماء مسند نشینی کے ایک نہ ختم ہونے والے چکر میں آ گئے تھے، صوفیہ احوال و مکاشفات کے سہارے معاشرے میں قدم جما رہے تھے، کرامات کا شہرہ تھا اور ہر کسی کے پاس کرامات کی طویل فہرست تھی، جس پر حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے بڑا بلیغ تبصرہ فرمایا تھا کہ برتن چھوٹا ہو تو اچھل جایا کرتا ہے۔ پھر واصل حق ہونے کے دعوے ایک ہیجان پیدا کر رہے تھے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ کی سطوت علمی اپنے عروج پر آ کر تصوف کے دامن میں پناہ لے رہی تھی۔ حیرت ہے کہ جن دنوں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ بغداد آ رہے تھے، انہی ایام میں حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ بغداد کو خیر باد کہہ رہے تھے۔ قوم کو یہ منظر دکھایا جا رہا تھا کہ علم کو روح کی شادابی درکار ہوتی ہے اور تزکیہ نفوس کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت ایک فن کا درجہ پاتی ہے اور اس کو ذریعہ نجات اور فلاح کائنات کا کفیل بننا ہے تو اس کا اعتماد تزکیہ نفوس کی روحانیت پر ہونا چاہیے۔ علم اور مقصود علم کا حسین امتزاج ہی فرد کی اصلاح اور اجتماع کی فلاح کا سبب ہوتا ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نماز فجر سے مسند علم بچھاتے، مسائل کا حل بتاتے، سوالات کے جوابات دیتے، فتاویٰ تحریر کرتے، علمی پیش رفت کے معاون بنتے، اس طرح تعلیم و تعلم کا اک جہان آباد ہوا، حاضرین کی تعداد بڑھنے لگی، شیخ طریقت حضرت ابو سعید المخرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مدرسہ آپ کی نگرانی میں دے دیا گیا، مگر کفایت نہ کر سکا، اس لیے توسیع ہوئی، ہزاروں کی تعداد میں علم کے متلاشی انحاء عالم سے بغداد کا رخ کرنے لگے اور ایک مختصر مدت ہی میں حضرت کا مدرسہ بغداد کے تمام علمی مراکز پر سبقت لے گیا، اس لیے کہ اس درس گاہ سے علم ظاہر بھی حاصل ہوتا تھا اور علم باطن بھی اور جب تک ظاہر و باطن اصلاح کے دامن میں نہ آ ئیں، تعمیر سیرت کا مرحلہ طے نہیں ہوتا۔

بغداد کی سرزمین پر آپ کا مرکز علم و معرفت چالیس سال تک آماجگاہ عالم رہا۔ آپ نے

مسلسل محنت اور لگن سے اک جہان کو گرویدہ بنایا۔آپ کا سلسلہ قادریہ اس وقت نمایاں تھا اور آج بھی ہے،اس لیے کہ اس کی بنیاد خلوص وللّٰہیت کے جذبوں اور روح کی تابانیوں کے جلو میں رکھی گئی ہے۔آپ نے خود ارشاد فرمایا:

درست العلم حتی صرت قطبا

''میں نے مسلسل علم پڑھا،حتیٰ کہ میں قطب بنا''---

سوچیے!جو شیخ اپنی قطبیت کی اساس علم کو قرار دے وہ اپنے متوسلین میں جہالت کو کیسے برداشت کرے گا۔شریعت وطریقت کی تقسیم کے نام پر بڑا ہنگامہ بپا رہا ہے اور آج بھی ہے۔حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسوہ یہ ہے کہ وہ خلوت کدوں سے نکل کر جلوت میں آئے،طریقت کو شریعت کا تابع بنایا،بے جا دعوؤں سے انکار کیا،حتیٰ کہ منصور حلاج کے واقعہ پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ کسی مردِ حق نے ان کو اس بے باکی پر راہنمائی سے نہیں نوازا۔فرمایا:

''اگر میں اس وقت ہوتا تو ضرور ان کا ہاتھ پکڑ لیتا اور بچا لیتا''---

واضح کردیا کہ تصوف دعوؤں کا نام نہیں،اتباعِ شریعت کی بلند منزل کا نام ہے اور یہ کہ اگر کوئی صوفی بھکنے لگے تو اس کو بچانا اور ہاتھ پکڑنا اہلِ سلوک کا حق ہوتا ہے۔حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو اس قدر بلند آہنگ تھے کہ جب خلیفہ بغداد نے ایک ایسے شخص کو عہدۂ قضا دے دیا جو اپنے رویوں میں ظالمانہ روش رکھتا تھا تو آپ 'اضعف الایمان' کے حصار میں پناہ لینے پر تیار نہ ہوئے، برملا تردید کی اور بر سرِ منبر خلیفہ وقت کو للکارا اور فرمایا:

''تم نے مسلمانوں پر ایک ایسا حاکم مسلط کردیا ہے جو'اظلم الظالمین' ہے۔

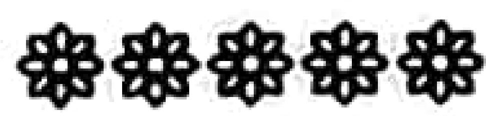
قیامت کے روز'رب العالمین' کو کیا جواب دو گے جو'ارحم الراحمین' ہے''---

تعلیم کتاب وحکمت کا درس آپ کی اندرونی ضیاء پاشیوں سے یوں مجلا ہوتا تھا کہ دلی ایقان سے نکلے ہوئے کلمات دلوں پر دستک دیتے تھے۔یوں علم کتاب ہو یا درس حکمت،ان کو تزکیہ نفوس کا حصار عافیت حاصل تھا۔میراث نبوت کا حامل یہ بطلِ جلیل نوّے (۹۰) سال سے زائد عرصہ تک علم وحکمت کے موتی رولتا رہا اور دلوں سے شرک وکفر،بغض وعناد،حرص وہوا اور تصنع وبناوٹ کا میل اتار کر دلوں کو مرکز انوار بناتا رہا۔آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پکار رہا ہے کہ آپ معلم کتاب وحکمت ﷺ کی سیرت پاک کے پرخلوص سپاہی ہیں اور زندگی کے ہر موڑ پر تزکیہ نفوس کا نبوی منصب سنبھالنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

آپ کی پوری زندگی 'معلم ومزکی' کی زندگی ہے، کوئی لمحہ بے علمی کی تاریکی میں گم نہیں اور کوئی ثانیہ صفائے قلب کے جوہر سے محروم نہیں، یہی زندگی آج انسان کومطلوب ہے۔آج بھی بے علمی کا کہر علم کدوں پر محیط ہوتا جارہا ہے اور بے علمی اور بدکرداری کا جواز عطا کیا جارہا ہے۔آج کے ہر مدعی ولایت کواپنے کندھوں کوٹٹولنا ہے کہ کیاقدمی هذه علی رقبة کل ولی الله، کااعلان کرنے والے شیخ کامل کامبارک قدم ان کندھوں اورگردنوں کوشرف قرب عطا کرتا ہے یانہیں؟

آیئے! حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دردمندانہ پکار کوگوش حق شناس سے سنیں اور حرز جان بنائیں۔آپ ﷺ نے فرمایااور بصد حسرت فرمایا:

''دین رسول ﷺ کی دیواریں پے درپے گر رہی ہیں اوراس کی بنیاد بکھر رہی ہے۔ اے باشندگان زمین! آؤ، کہ جوگر گیا ہےاس کواستوار کریں اور جوڈھے گیااس کو بلند کریں، یہ کام ایک سے مکمل نہ ہوگا، سب کومل کر یہ کام کرنا ہے،اے سورج! اے چاند! اوراے دن! تم سب بھی آؤ''۔



اللہ کرے یہ آواز مردہ دلوں کی زندگی کا پیغام بنے اور یہ قوم پھر سے توانائیوں کی معراج پالے۔(آمین)

چشم رحمت کا طلب گار ہوں شیئاً للہ
میر بغداد میں لاچار ہوں شیئاً للہ

❋❋❋❋❋

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
مصطفیٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا تیرا
و رفعنا لک ذکرک کا ہےسایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا

Scanned with CamScanner

عظمتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

محمد اصغر مجددی

دریائے دجلہ میں آنے والی طغیانی بڑھتی ہی جا رہی تھی--- شور مچاتے ہوئے طوفانی پانی کی بپھری ہوئی خوف ناک موجیں سب کچھ بہالے جانے کے لیے بے قرار تھیں--- وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لحہ بہ لحہ عوام کی تشویش و اضطراب اور خوف میں اضافہ ہوتا جارہا تھا--- اور وہ بغداد سے نقل مکانی کے لیے رختِ سفر باندھ چکے تھے--- سرکاری اہل کاروں کی پانی کے آگے بند باندھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہوچکی تھیں، لیکن انھوں نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری تھی اور ان کی بھاگ دوڑ جاری تھی--- صورت حال کی نزاکت کے باوجود صرف ایک امید باقی تھی کہ ابھی تک سیلاب کے بارے میں شاہی فرمان جاری نہیں ہوا تھا--- آخر وہ وقت بھی آپہنچا جب حاکمِ وقت کی جانب سے یہ اعلان کروادیا گیا کہ طغیانی شدت اختیار کرچکی ہے، سیلاب بے قابو ہوگیا ہے اور پانی نے شہر کی جانب بڑھنا شروع کر دیا ہے، بغداد کے مکینوں کو چاہیے کہ وہ حفاظتِ خود اختیاری کے تحت فوری طور پر محفوظ مقامات پر منتقل ہو جائیں--- اس مایوس کن اعلان کے ساتھ ہی شہر میں ایک کہرام مچ گیا اور لوگ مال و اسباب کی پروا کیے بغیر جان بچانے کے لیے شہر سے بھاگنے لگے--- ان لوگوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی، جن کے قدم شہر سے باہر جانے والے راستوں کی بجائے شیخ الارض والسموات، شیخ الجن، شیخ الانس، مظہر شانِ نبوت، مصدر فیضانِ ولایت، مرکز دائرۂ قطبیت، غوث الثقلین، سید الاولیاء، سند الاصفیاء، محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی درگاہِ غوثیہ کی جانب بڑھ رہے تھے--- یہ وہ روشن ضمیر انسان تھے، جو کہ ہاؤ ہو، نفسا نفسی، گھبراہٹ و بے چینی اور کس مپرسی و بے بسی کے ایسے عالم میں بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ تمام وسائل اور ظاہری اسباب ختم ہوجانے کے بعد اب سیدنا غوث اعظم قدس سرہ العزیز ہی ہیں، جو اپنے باطنی تصرف اور روحانی کمال کو بروئے کار لاتے

Scanned with CamScanner

ہوئے بغداد کوڈوبنے سے بچاسکتے ہیں--- چلتے چلتے یہ ہجوم ایک قافلے کی شکل اختیار کر جاتا ہے--- یہ قافلہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے، اس میں مزید لوگ شامل ہوتے جاتے ہیں--- ہر کسی کی یہ خواہش اور کوشش ہے کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے، شہنشاہ جیلاں کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے، تا کہ ان کی توجہ اور امداد سے اہالیٔ بغداد پر اچانک مسلط ہونے والی سیلاب کی مصیبت ٹل جائے---

کچھ دیر کی مسافت کے بعد جب درگاہِ غوثیہ قادریہ پر ان کی نظر پڑتی ہے، تو عاشقانِ رسول اور غلامانِ غوثِ اعظم کے دل تیز تیز دھڑکنے لگتے ہیں--- وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو تمام صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد "یَسْتَغِیْثُوْنَ بِہٖ" آپ سے استغاثہ کرتے ہوئے باقاعدہ مدد طلب کرتے ہیں--- سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ اپنے عقیدت مندوں کی فریاد سن کر بے قرار ہو جاتے ہیں اور اپنا عصا مبارک پکڑ کر دریائے دجلہ کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں---

عقیدت مندوں کا ہجوم بھی آپ کے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہے--- شاہی اہل کار پہلے تو لوگوں کو دریا کی جانب بڑھنے سے روکتے ہیں، لیکن جب ان کی شہنشاہِ ولایت اور تاج دارِ اولیاء سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر نظر پڑتی ہے، وہ خاموش ہو جاتے ہیں--- حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ کر اپنا عصا مبارک دریا کی اصلی حد پر نصب کر دیتے ہیں:

وَرَکَزَہٗ عِنْدَ حَدِّ الْمَاءِ وَقَالَ اِلٰی ھٰھُنَا---

"عصا کو نصب کرنے کے بعد دریا کو فرماتے ہیں، بس یہیں تک"---

فَنَقَصَ الْمَاءُ مِنْ وَّقْتِہٖ---[بہجۃ الاسرار، صفحہ ۷۵]

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ طوفان اسی وقت تھم جاتا ہے اور دریا کا پانی کم ہوتے ہوتے آپ کے عصا مبارک تک آجاتا ہے--- اللہ اکبر! عظمت و شان غوث اعظم رضی اللہ عنہ

---✿✿✿---

بغداد اور اس شہر کے لوگوں کو سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچانا تاج دارِ ولایت حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم الشان کرامت تھی--- روحانی تصرف کا یہ بے مثال واقعہ اسلام کی صداقت و حقانیت کے اظہار، شریعت مطہرہ کے خلاف سر اٹھانے والے فتنوں کی بیخ کنی، ارتداد و الحاد کے استیصال و تدارک اور لادینیت و گمراہی کے خاتمے کا باعث بنا اور آپ کا حلقہ ارادت اس وسعت کے ساتھ پھیلا کہ آپ کی رشد و ہدایت اور تلقین و ارشاد کی مجالس میں شریک ہونے والے شمع رسالت کے پروانوں اور سلسلہ عالیہ قادریہ غوثیہ کے دیوانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور روز بروز حاضرین کی تعداد بڑھتی ہی رہی، حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا جب مجالس غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی

مقبولیت واثر انگیزی پر دربارِ خلافت کو بھی رشک آنے لگا---

حضرت شہبازِ لامکانی، محبوب سبحانی، غوث صمدانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی مقدس اور پرانوار مجالس ہائے وعظ کے بارے میں حضرت ابوسعید قیلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ و غیرہ من الانبیاء صَلَوٰاتُ اللّٰہِ علیْھِمْ اَجْمَعِیْن فِیْ مَجْلِسِ الشَّیْخِ عبد القادر و رَاَیْتُ الملائکۃَ عَلَیْھِمُ السَّلامُ یَحْضُرُوْنَ طَوَائِفَ بَعْدَ طوائف و رَاَیْتُ رجالَ الْغَیْبِ یتسابَقُوْنَ اِلٰی مَجْلِسِہٖ---

''میں نے کئی مرتبہ جناب سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ کی مجالس میں رونق افروز ہوتے دیکھا اور فرشتے آپ کی مجلس میں گروہ در گروہ حاضر ہوتے تھے اور اسی طرح رجالِ غیب بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے''---[قلائدالجواہر، صفحہ ۴۷]

شیخ عمر ایکمانی علیہ الرحمہ کا قول ہے:

''آپ کی مجالس شریفہ میں سے کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی تھی، جس میں یہود و نصاریٰ اسلام قبول نہ کرتے ہوں یا ڈاکو، قزاق، قاتل، مفسد اور بداعتقاد لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ نہ کرتے ہوں''---

صاحبزادہ والاشان سیدنا عبدالوہاب رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے:

کَانَ یَحْضُرُہُ الْعُلَمَاءُ وَ الْفُقَھَاءُ وَ الْمَشَائِخُ وَ غَیْرُھُمْ وَ یَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ فِیْ مَجْلِسِہٖ اَرْبَعُ مِائَۃِ مِحْبرۃِ عالِمٍ---[بہجۃ الاسرار، صفحہ ۹۵]

''آپ کی مبارک مجلس میں علماء، فقہاء اور مشائخ وغیرہ بکثرت تعداد حاضر ہوتے تھے، آپ کی مجلس میں افاضل علماء جن کی تعداد چار سو ہوتی تھی، قلم اور دوات لے کر حاضر ہوتے تھے''---

متعدد مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ آپ کی مجلس شریف میں نہ کسی کو تھوک آتا تھا، نہ ہی کوئی کھنکارتا تھا، نہ ہی کوئی کسی دوسرے سے کلام کرتا تھا، کسی فرد کو مجلس میں کھڑے ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی، جب کہ حاضرین کیف و وجد میں متغرق نظر آتے تھے، نیز یہ کہ مجلس مبارکہ میں باوجودیکہ ہجوم بہت زیادہ ہوتا، لیکن آپ کی آواز مبارک جتنی نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی، اتنی ہی دور والوں کو سنائی دیتی تھی۔ یعنی دور اور نزدیک والے حضرات آپ کے خطابات کی آواز یکساں طور پر بالکل صاف اور واضح طور پر سنتے تھے۔

Scanned with CamScanner

پروردگارِ عالم ﷻ نے جیسے حضور سرورِ کونین ﷺ کو انبیاء علیہم السلام میں سراپا معجزہ بنایا، ایسے ہی قادرِ مطلق ﷻ نے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اولیاء میں سراپا کرامت بنایا--- پیدائش سے لے کر وصال تک آپ کی پوری زندگی کرامت تھی--- ظاہری حیات مبارکہ میں آپ سے تواتر و تسلسل کے ساتھ کرامات ظہور پذیر ہوتی رہتیں--- یہ خوارقِ عادات، ایمان افروز کرامتیں، باطل پرست اور بدعقیدہ عناصر کی دین اسلام کے خلاف سازشوں پر ہمیشہ ضرب کاری لگاتی رہیں--- آپ کی ہر کرامت خرمنِ باطل پر بجلی بن کر گرتی، جس سے منکرین تلملا اٹھتے اور تڑپتے رہ جاتے--- کبھی انھیں یہ اطلاع ملتی:

حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کے فیضانِ نظر سے چور ابدال کے باوقار مقام پر فائز ہو گیا---

کبھی یہ خبر آتی:

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے بیک وقت ستر مریدوں کے گھر افطاری فرمائی---

کبھی یہ واقعہ مشہور ہو جاتا:

شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا دھوبی قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جواب میں مسلسل عبدالقادر، عبدالقادر کی تکرار کرتے ہوئے مغفرت پا گیا---

کبھی اس کرامت کا چرچا ہو جاتا:

شہنشاہِ جیلاں رضی اللہ عنہ نے طعام میں کھائی جانے والی مرغی کی ہڈیوں کو سامنے رکھ کر جب یہ فرمایا:

قُوْمِیْ بِاِذْنِ اللّٰہِ الَّذِیْ یُحْیِ الْعِظَامَ وَ ھِیَ رَمِیْمٌ---[بہجۃ الاسرار، صفحہ ۶۵]

"اللہ کے حکم سے اٹھ، جو ہڈیوں کو زندہ فرماتا ہے"---

تو مرغی اٹھ کھڑی ہوئی---

کبھی یہ واقعہ زبان زدِ عام ہو جاتا:

مدرسہ نظامیہ میں وضو کرتے ہوئے آپ نے اپنی کھڑاویں ہوا میں اچھال دیں، تین روز بعد معلوم ہوا کہ آپ کے چند عقیدت مندوں کو جب ڈاکو صحرا میں لوٹنے لگے تو انھوں نے بے بسی کے عالم میں 'یا غوث اعظم' پکارا تو آپ نے دست گیری فرماتے ہوئے اپنی کھڑاویں ہوا میں پھینکی، جو ڈاکوؤں کے سروں پر برسیں اور وہ مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے---[قلائد الجواہر، صفحہ ۶۸]

کبھی یہ واقعہ شہرت اختیار کر جاتا:

آپ کی مجلس وعظ میں شیخ علی بن ہیتی علیہ الرحمہ کو حضور سرکار دو عالم ﷺ کا دیدار نصیب ہو گیا، وعظ کے دوران شیخ علی بن ہیتی پر نیند طاری ہو گئی تو سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل مجلس کو اشارہ فرمایا کہ خاموش رہو اور آپ خود منبر مبارکہ سے اتر کر شیخ علیہ الرحمہ کے آگے دست بستہ کھڑے ہو گئے،

Scanned with CamScanner

جب شیخ بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے کیوں دست بستہ کھڑے ہوئے؟ تو آپ نے فرمایا، مجھے خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی:

آنچہ من بخواب می دیدم وے بیداری می دید---[نفحات الانس، صفحہ ۳۵۵]

''میں نے جو خواب میں دیکھا وہ آپ بیداری میں دیکھتے ہیں''---

یعنی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے منبر سے اترے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں دست بستہ، باادب کھڑے رہے---

کبھی لوگ آپ کے اس واقعہ کا جگہ جگہ ذکر کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں:

خانقاہِ غوثیہ میں مقیم شیخ ابومحمد صالح علیہ الرحمہ کو ایک روز آپ نے پاس بلا کر قبلہ کی سمت اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرف دیکھو، جب انھوں نے حسب الحکم ادھر دیکھا تو آپ نے فرمایا:

مَاتَرٰی؟--- ''تم کیا دیکھ رہے ہو؟''---

قُلْتُ الْکَعْبَۃ--- ''عرض کیا کہ خانہ کعبہ دیکھ رہا ہوں''---

[قلائد الجواہر، صفحہ ۶۹]

کبھی یہ بات مشہور ہو جاتی:

خلیفہ مستنجد باللہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور اطمینان قلبی کے لیے کوئی کرامت دیکھنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا:

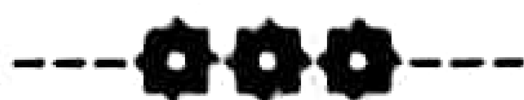
''تم کیا چاہتے ہو؟''---

عرض کی: ''سیب چاہتا ہوں''---

حالاں کہ ان دنوں بغداد میں سیب کا موسم نہیں تھا، آپ نے اپنا دست مبارک ہوا میں پھیلایا، تو آپ کے ہاتھ میں دو تر و تازہ سیب آ گئے، ایک آپ نے خود رکھ لیا، دوسرا خلیفہ کو دے دیا---[بہجۃ الاسرار، صفحہ ۶۱]

اس واقعہ نے بھی بہت شہرت اختیار کی:

شیخ احمد زندہ علیہ الرحمہ اپنی شانِ ولایت کے اظہار کے لیے شیر پر سوار ہو کر شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب ان کے شیر کو گائے کی خوراک کے لیے اصطبل میں لایا گیا تو درِ غوث کے ایک چھوٹے سے کتے نے حملہ کر کے شیر کو چیر پھاڑ ڈالا---اس کے بعد شیخ احمد زندہ علیہ الرحمہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ کے مبارک ہاتھوں کو چوما، 'وَ تَابَ عَلٰی یَدَیْہِ' اور توبہ کی---[تفریح الخاطر، صفحہ ۵۰]



دریائے دجلہ کی طغیانی کی طرح شہر میں طاعون کی وباء کا مسلط ہونا بھی اہالیٔ بغداد کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت تھی--- بتایا جاتا ہے کہ طاعون نے اتنا زور پکڑا کہ تمام احتیاطی تدابیر غیر مؤثر ہو گئیں--- حکماء اور اطباء بھی عاجز ہو کر رہ گئے--- ہزاروں لوگ طاعون میں مبتلا ہو کر راہیٔ ملک عدم ہو گئے، لوگ جنازے اٹھا اٹھا کر تھک گئے تو تنگ آ کر بارگاہِ غوثیت میں حاضر ہوئے اور طاعون کی ہلاکت خیزیوں پر تاسف و ملال کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے اس ناگہانی آفت کے مداوے کی استدعا کی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

یُسْحَقُ الْکَلَأ الَّذِیْ حَوْلَ مَدْرَسَتِنَا وَ یُؤْکَلُ یَشْفِی اللّٰهُ بِهِ النَّاسَ الْمَرْضٰی---

''ہمارے مدرسہ کے ارد گرد جو گھاس ہے، اس کو رگڑ کر لگاؤ اور اسی کو کھاؤ، اللہ تعالیٰ اس سے بیمار لوگوں کو شفا دے گا''---

آپ نے مزید فرمایا:

مَنْ شَرِبَ مِنْ مَاءِ مَدْرَسَتِنَا قَطْرَةً یَشْفِیْهِ اللّٰهُ---

''جو شخص ہمارے مدرسہ کے کنویں کا پانی پیئے گا، اس کو بھی شفا حاصل ہوگی''---

آپ کا یہ ارشاد صورِ اسرافیل کی طرح پورے شہر میں پھیل گیا، ساری آبادی بارگاہِ غوثیت کی جانب اُمڈ آئی، مدرسہ نظامیہ کے اطراف میں پھیلی ہوئی گھاس پھونس سمیٹ کر لے گئی اور حوضِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے جی بھر کر سیراب ہوئی، جس گھر میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی چوکھٹ کا یہ نسخہ کیمیا پہنچا، وہ گھر طاعون سے نجات پا گیا---

فَوَجَدُوْا شِفَاءً کَامِلًا--- ''ان کو شفاءِ کامل حاصل ہوئی''---

اہالیٔ بغداد کا یہ کہنا ہے کہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے طاعون کا ایسا سدباب فرمایا:

فَمَا وَقَعَ فِیْ عَهْدِهِ الطَّاعُوْنُ فِیْ بَغْدَادَ ثَانِیًا--- [تفریح الخاطر، صفحہ ۳۴]

''بعد ازیں آپ کے عہد میں دوبارہ کبھی بغداد پر طاعون کا حملہ نہیں ہوا''---

اس ایمان افروز واقعہ سے حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوا اور نورِ اسلام کی کرنوں سے بغداد اور اطراف و اکناف کا ذرّہ ذرّہ جگمگا اٹھا--- حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اس درخشندہ کرامت پر یہود و نصاریٰ سر پیٹ کر رہ گئے، عیسائیوں نے تو باقاعدہ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے بارے اس مکروہ پروپیگنڈے کا جال پھیلا دیا کہ معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے افضل ہیں---

سادہ لوح مسلمانوں کو اپنا شکار بنانے اور ٹارگٹ کے حصول کے لیے روزانہ عیسائی پادری

اور ان کے تربیت یافتہ مبلغ اپنے اپنے حجروں سے نکل کھڑے ہوئے---ایک روز کا واقعہ ہے کہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک محلے سے گزر ہوا تو آپ نے دیکھا کہ ایک عیسائی پادری نے ایک مسلمان کو گھیر رکھا ہے، سیدھا سادہ مسلمان، پادری کے الٹے سیدھے سوالات، جوابات سے خاصا گھبرایا ہوا تھا، اس کی شہنشاہِ جیلانی رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا---محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ قریب آئے تو مسلمان نے عرض کی کہ حضور والا! یہ عیسائی کہتا ہے کہ ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں--- میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے، بلکہ ہمارے نبی پاک شاہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم افضل المرسلین ہیں، لیکن یہ عیسائی میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں---

یہ سن کر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے اس پادری سے پوچھا کہ تمہارے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت کی کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے نبی مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نبی تو نہیں ہوں بلکہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع اور غلام ہوں، اگر میں مردہ زندہ کردوں تو کیا تم ہمارے نبی پر ایمان لے آؤ گے؟ تو عیسائی نے جواب دیا کہ ہاں---آپ نے فرمایا کہ تم مجھے کوئی پرانی قبر دکھاؤ---اس نے آپ کو ایک کہنہ قبر دکھائی---آپ نے اس سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرتے وقت کیا کلام فرماتے تھے؟ اس نے عرض کیا کہ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ'---آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ کَانَ مُغَنِّیًا فِی الدُّنْیَا اِنْ اَرَدْتَ اَنْ اُحْیِیَہٗ مُغَنِّیًا فَاَنَا مُجِیْبٌ لَکَ---

''یہ صاحب قبر دنیا میں گویا تھا، اگر تو چاہے یہ صاحب قبر گاتا ہوا ہی اٹھے، تو میں تمہارے لیے یہ بھی کر سکتا ہوں''---

عیسائی نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں بھی یہی چاہتا ہوں:

فَتَوَجَّہَ اِلَی الْقَبْرِ وَ قَالَ قُمْ بِاِذْنِیْ---

''پس آپ صاحب قبر کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ میرے حکم سے اٹھ''---

فَانْشَقَّ الْقَبْرُ وَ قَامَ الْمَیِّتُ حَیًّا مُغَنِّیًا---

''پس قبر شق ہوئی اور مردہ زندہ ہو کر گاتا ہوا باہر نکل آیا''---

پادری یہ روشن ترین کرامت دیکھ کر حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا قائل ہوگیا اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوگیا---[تفریح الخاطر، صفحہ ۱۶]

اس ایمان افروز اور باطل سوز کرامت کے ساتھ ہی عیسائیوں کی اسلام کے خلاف تمام

سازشیں دم توڑ گئیں اور ﴿جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا﴾ کی صداقت نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس فرشِ خاکستری پر ایک مرتبہ پھر ثبت ہوئی اور اس دین کو پھر ایک نئی زندگی مل گئی---احیاءِ موتی کے واقعہ سے باطل کا گھمنڈ جس تیزی کے ساتھ چکنا چور ہوا، اس کے بارے میں شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز خود ارشاد فرماتے ہیں:

قَدْ اَسْلَمَ عَلٰی یَدَیَّ اَکْثَرُ مِنْ خَمْسَۃِ آلَافٍ مِنَ الْیَھُوْدِ وَ النَّصَارٰی وَ تَابَ عَلٰی یَدَیَّ مِنَ الْعَیَارِیْنَ وَ الْمَسَالِحَۃِ اَکْثَرُ مِنْ مِائَۃِ اَلْفٍ خَلْقٍ کَثِیْرٍ---[قلائد الجواہر، صفحہ ۱۹]

"بے شک میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زائد ڈاکو، قزاق، فساق و فجار لوگوں نے توبہ کی"---

آپ کے مواعظ حسنہ، ارشادات عالیہ، تبلیغ و تدریس، روحانی کشف و کرامات اور دینی خدمات کی بدولت بغداد جیسے بین الاقوامی شہرت کے حامل شہر میں جہاں تمام مذاہب باطلہ نے ڈیرے جما رکھے تھے، اسلام غالب آ گیا اور آپ محی الدین کے لقب سے ملقب ہوئے---محی الدین لقب کی وجہ تسمیہ خود آپ نے یوں بیان فرمائی ہے:

"ایک دن میں بغداد شریف کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک بیمار شخص ملا، جو نحیف البدن اور متغیر رنگ کا تھا، اس نے میرا نام لے کر مجھے سلام کیا اور قریب آنے کو کہا، جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے مجھے سہارا دینے کے لیے کہا، جب میں نے اس کو سہارا دیا تو وہ تندرست و توانا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو کہنے لگا کہ میں دینِ اسلام ہوں:

کُنْتُ قَدْ مِتُّ وَ دَثَرْتُ فَاَحْیَانِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِکَ بَعْدَ مَوْتِیْ---

"میں قریب الموت ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدولت مجھے از سر نو زندہ کر دیا"---

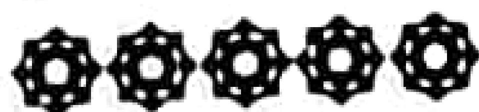
اور پھر ارشاد فرماتے ہیں:

"اس واقعہ کے بعد لوگ مجھے 'یا محی الدین' کہہ کر پکارنے لگے"---

[بہجۃ الاسرار، صفحہ ۵۴]

اپنے محی الدین لقب کے بارے میں قصیدہ غوثیہ میں آپ کا اپنا شعر ہے:

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحْیِ الدِّیْنِ اِسْمِیْ
وَ اَعْلَامِیْ عَلٰی رَأْسِ الْجِبَالِ



سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ

حکیم غلام حیدر سہیل

ایران میں بحیرہ خزر کے جنوبی ساحل پر ایک شاداب علاقہ ہے، جسے گیلان کہتے ہیں۔ زمین کی زرخیزی کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی گزر بسر کاشت کاری پر ہے۔ ۴۸۸ھ کی ایک دوپہر کو اسی خطۂ خوش گوار کی ایک بستی نیق کے نواح میں ایک دبلا پتلا، لمبے قد اور کھلے ہاڑ کا گندم گوں نوجوان ہل چلا رہا تھا۔ بیلوں کو ہانکتے ہوئے اس نے محسوس کیا، جیسے رک گئے ہوں۔

"عبدالقادر تم اس کام کے لیے تو پیدا نہیں ہوئے"---

نوجوان کی سانس رک سی گئی، اس کا دل دھڑکنے اور جسم کانپنے لگا اور وہ ہل کی ہتھی چھوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا، بیل نے یہ کیا کہا؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟ وہ کیوں کر بولا؟ وہ تو ایسے بول رہا تھا جیسے انسان ہو؟ سچ مچ کیا میں اس کام کے لیے پیدا نہیں ہوا؟ تو پھر میں کس کام کے لیے پیدا ہوا ہوں؟

وہ اٹھا اور بیلوں کو چھوڑ کر ہل ایک طرف ڈال گھر کی طرف چل پڑا۔ پاؤں تیزی سے خود بخود اٹھتے چلے جا رہے تھے، دل دھڑک اور جسم کانپ رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیلوں کی آواز تعاقب کر رہی ہو، گھر کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی اور کپکپاتے ہوئے کہا:

"اماں، اماں! بیل نے مجھے کہا ہے کہ تم اس کام کے لیے پیدا نہیں ہوئے"---

ماں نے بیٹے کو چھاتی سے لگالیا اور بلائیں لینے لگی:

"کیا کہا، میری جان عبدالقادر میرے بیٹے! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"---

بیٹے نے پورا واقعہ کہہ سنایا، کچھ دیر خاموشی طاری رہی، پھر ماں نے دھیمی آواز میں رک رک کر کہا:

"ہاں بیٹے سچ ہی تو ہے، بیل نے سچ ہی تو کہا ہے، تم ہل چلانے اور بیل ہانکنے کے لیے پیدا نہیں ہوئے، تم دوسرے بچوں کی طرح کب ہو؟ اٹھارہ برس تک تم نے نہ جھوٹ بولا، نہ زبان گالی سے آلودہ کی، مجھے یاد ہے جب تم میری گود میں تھے، تو رمضان میں کبھی دن کو دودھ نہیں پیا تھا۔ ایک بار عید کے ہونے نہ ہونے کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تو سب نے یہ کہا، جنگی دوست شیخ ابو صالح کے ہاں جا کر پوچھو، ان کے بچے نے دودھ پیا ہے؟ اور پھر جب تم مکتب میں پڑھتے تھے تو ذرا تمہاری کھیل میں مشغولیت بڑھی اور ایسا معلوم ہوا جیسے غیب سے کوئی بلا رہا ہو۔ ہاں بیٹا سچ ہے، تم ہل چلانے اور بیل ہانکنے کو پیدا نہیں ہوئے"---

یہ نوجوان شیخ عبدالقادر گیلانی تھے اور یہ ان کی والدہ ام الخیر فاطمہ تھیں، آپ اس وقت اٹھارہ برس کے تھے اور آپ کی والدہ اٹھتر برس کی۔ یہ بات عجیب تھی کہ ساٹھ سال کی عمر میں کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو لیکن شاید ابراہیم و زکریا کا خدا یہ چاہتا تھا کہ وہ ہاتھ جو مذہب کی تاریخ میں سب سے با کرامت ہو، اس کی پیدائش بھی اپنے اندر کرامت ہی کا انداز رکھے۔

محترمہ ام الخیر فاطمہ کا نکاح شیخ ابو صالح موسیٰ کے ساتھ ایک ایسے واسطہ سے ہوا جو رسم و راہ عام سے ہٹا ہوا ہے۔ شیخ ابو صالح موسیٰ ایک ندی کے کنارے جا رہے تھے کہ ایک سیب بہتا ہوا نظر آیا، خوش رنگ دیکھ کر پکڑ لیا، خوش بو دماغ میں پہنچی تو دل نے چاہا کہ زبان بھی ذائقہ سے آشنا ہو، سیب کھا لیا تو بعد میں خیال آیا کہ مبادا اس کا کھانا مالک کی اجازت کے بغیر "اکل حرام" میں داخل ہو، الٹے پاؤں پھرے، آٹھ دس میل چل کر ایک باغ میں پہنچے، اس کے مالک کو مل کر سیب کا واقعہ سنایا اور معافی کے خواست گار ہوئے۔

سید عبداللہ صومعی گو کہ خود عابد و زاہد تھے، اس زہد و تقویٰ کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ حسب و نسب دریافت کیا تو علی بن ابی طالب تک نورٌ علیٰ نور پایا۔ تھوڑی دیر توقف کیا اور پھر کہا:

"محترم! معاف کر سکتا ہوں، لیکن ایک شرط پر"---

"کون سی شرط؟"---

"یہ کہ میری ایک اندھی، لنجی، گونگی لڑکی ہے، اس سے نکاح کر لو"---

اب جناب ابو صالح کی حالت دیدنی تھی، ایک طرف تو یہ خوف کہ سیب لقمہ حرام بن کر جزو بدن نہ ہو جائے، دوسری طرف ایک اپاہج عورت کے ساتھ عمر بھر کا ساتھ، جس کا تصور بھی سوہان روح تھا۔ زندگی بھر کا دکھ اور مصیبت، ایک ہیولا، ایک تاریک سایہ، جو زندگی کی مسرتوں اور شادمانیوں کا گلا گھونٹ دے، لیکن حرام! جس کے تصور نے ابھر کر آگ کے الاؤ کی شکل اختیار کر لی، شیخ کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ تاریک شعلوں کی بیکراں آگ میں جل رہے ہوں، ان کے ذہن میں خیالات ہجوم کر آئے۔

زندگی فانی اور بے اعتبار ہے، جوانی چار دن کی چاندنی ہے، اس کے بعد عورت اور پتھر برابر ہیں۔ شیخ ابو صالح نے فیصلہ کر لیا اور جرأت سے کہا:

''مجھے نکاح منظور ہے''---

سید عبداللہ صومعی مسکرائے، دوسرے دن نکاح ہو چکا تھا، جب حجلۂ عروسی میں پہنچے تو ایک حسینہ خوش اندام کو خوش آمدید کہتے پایا۔ گھبرا کر مڑے، سید عبداللہ نے سبب پوچھا تو کہا:

''زوجہ منکوحہ کے علاوہ کوئی اور خاتون ہے کہ اس کے سارے انگ درست اور سالم ہیں''---

سید عبداللہ مسکرائے اور کہا، مبارک ہو تیری زوجہ ہی تو ہے۔

لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ وہ گونگی، اندھی اور اپاہج ہے؟

ہاں کہا تھا:

''یہ گونگی اس لحاظ سے ہے کہ کبھی بری گفتگو نہیں کی، اندھی اس وجہ سے ہے کہ کسی غیر محرم کی جانب کبھی نگاہ نہیں کی اور اپاہج اس اعتبار سے ہے کہ گھر سے باہر کبھی نہیں نکلی''---

یہ بد کلامی سے گونگی، بد نظری سے اندھی اور خانہ نشینی کے اعتبار سے اپاہج ہے۔ یہ ام الخیر فاطمہ تھیں، جو اس بڑھاپے میں اپنے لخت جگر کو اس لیے جدا کر رہی تھیں کہ اس کا بیٹا بیل ہانکنے کی بجائے اقلیم علم و عرفان کی بادشاہت کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس غرض کے لیے اس وقت کے تمام راستے بغداد کو جاتے تھے۔ ماں کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ جیتے جی بیٹے سے ملنے کی توقع موہوم تھی۔ بیٹا بھی سمجھ رہا تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، لیکن شاید ہر بڑے مقصد کے لیے ایسی قربانیاں ناگزیر ہوا کرتی ہیں۔ اثنائے سفر میں کیا گزری، خود شیخ کی زبانی سن لیجیے:

''میں نے جب اپنی ماں سے کہا کہ مجھے تحصیل علم اور زیارت صلحاء کے لیے بغداد جانے کی اجازت دو تو وہ رو دیں۔ اسی (80) دینار میرے باپ نے ترکہ میں

چھوڑے تھے، ان میں سے چالیس دینار میرے بھائی کے لیے رکھ لیے اور چالیس میری صدری میں بغل کے نیچے سی دیے۔ رخصت ہوتے وقت وصیت کی کہ ہر معاملہ کی بنیاد راست بازی پر رکھنا، تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں، اب قیامت کو ملیں گے۔ میں قافلۂ بغداد کے ساتھ روانہ ہو گیا، جب ہم ہمدان سے آگے نکل گئے تو ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کر دیا، خوب لوٹا مگر میرے ساتھ تعرض نہ کیا۔ لوٹ مار کے بعد ایک قزاق نے مجھ سے پوچھا کہ تیرے پاس بھی کچھ ہے؟ تو میں نے جواب دیا، چالیس دینار، بولا کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا، میری صدری میں بغل کے نیچے سیے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھا یہ میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے، پھر دوسرا قزاق آیا، اس سے بھی اسی قسم کی بات چیت ہوئی، پہلے تو وہ حیران و متعجب ہوئے، پھر شک و شبہہ کی بنا پر ان دونوں سواروں نے اپنے سردار سے ذکر کیا۔ اس نے مجھے بلایا تو میں نے کہا کہ چالیس دینار میری صدری میں بغل کے نیچے سیے ہوئے ہیں۔ جب میری صدری پھاڑی گئی تو اس سے چالیس دینار نکل پڑے۔ وہ حیران رہ گیا اور کہا تو نے یہ کیوں بتایا، جب کہ کسی کو پتہ نہ تھا۔ میں نے جواب دیا، میں نے اپنی ماں سے عہد کیا تھا کہ سچی بات کیا کروں گا، اس عہد کو کیسے توڑتا؟ سردار یہ سن کر بے اختیار رو پڑا اور کہا، تو ماں سے کیا ہوا عہد نہیں توڑتا اور افسوس میں پروردگار سے کیے ہوئے عہد کا پاس نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی، ڈاکوؤں نے کہا، ہم اپنے سردار سے بے وفائی کیسے کریں، یہ ڈاکہ زنی میں بھی ہمارا سردار تھا، اب توبہ میں بھی ہمارا سردار ہے، پس سب نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی اور قافلہ والوں کا مال لوٹا دیا"۔۔۔

اب قافلہ خوش خوش روانہ ہو رہا تھا۔ وحشی قزاق موت کے نشان کی بجائے زندگی کے محافظ بن کر انہیں رخصت کر رہے تھے۔ قافلہ والے اپنے نوجوان بھولے بھالے نجات دہندہ کو اپنے درمیان خوش خوش لیے جا رہے تھے، خوف ناک قوی ہیکل ترکمان بھیڑ کی لمبی لمبی ٹوپیاں اور گھنی پشم والی پوستین پہنے کمانیں کندھوں پر دھرے چمک دار نیزوں کو لہراتے ہوئے اسے عقیدت سے رخصت کر رہے تھے اور وہ نوجوان حق و صداقت کی راہ میں اپنی پہلی فتح مندی کا نشان ہمدان کی وادی میں چھوڑ کر بدستور فروتنی اور انکساری کے ساتھ علم کے چشموں سے اپنی پیاس بجھانے بغداد جا رہا تھا۔

دیارِ غربت

بغداد بغداد تھا، بلند و بالا عمارتوں اور جگمگاتی روشنیوں کا شہر، جس کے درمیان دجلہ رواں تھا،

جہاں دن بھر مثلث نما بادبانوں والی لمبی لمبی کشتیاں سامانِ تجارت لانے اور لے جانے میں مصروف رہتیں اور شام کے وقت رؤسا کے آراستہ و پیراستہ بجرے سطح آب پر رواں دکھائی دیتے، جن میں تربیت یافتہ کنیزیں چنگ و دف کی صداؤں پر نغمہ سرا اور رقص کناں ہوتیں اور اربابِ عیش، نبیذ کے جام لنڈھائے مست و بے خود ہوتے۔ دریا کے شمالی کنارے پر قصر خلافت تھا، جس کے پس منظر میں قصر الذہب، قصر الخلد، قبۃ الخضرا اور جامع مسجد کے گنبد و منار عظمت و سطوت، خوش ذوقی اور حسنِ تعمیر کے آئینہ دار تھے۔ جنوبی کنارے پر امراء کے محل تھے، جن کی سنگی محرابوں اور مرمریں دیواروں کے سایہ میں حسین و جمیل کنیزکوں کے جھنڈ اس طرح پھرتے جیسے جنگل میں ہرنیوں کے غول ہوں۔ بغداد کے چھت دار بازاروں میں مالِ تجارت کے ڈھیر لگے رہتے اور لمبی لمبی عباؤں والے تاجر درہم و دینار کی تھیلیاں کمر سے باندھے ان کی خرید و فروخت میں لگے رہتے۔ ہندوستان سے خوش بوئیں، تیل اور کستوری، خلیج فارس کے جزیروں سے موتی، حبش سے ہاتھی دانت، شام سے روغن زیتون اور چین سے ریشمی کپڑا آ کر بکتا۔ ان بازاروں کے ساتھ تنگ گلیوں کے سرے آ کر ملتے، جن کی کشادہ حویلیوں میں تانبے، لوہے، شیشے اور چمڑے کے کارخانے تھے۔ یہاں صنعت کار اور ان کے غلام، دن رات کام میں مصروف رہتے اور مشرق و مغرب کی ضروریات پوری کیا کرتے۔

حکومت اور تجارت کے ساتھ ساتھ بغداد کو شروع ہی سے علمی مرکز ہونے کا شرف رہا، اس کا مشرقی حصہ تیس مدرسوں پر مشتمل تھا، جن کے طالب علموں کی تعداد تیس چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ منصور عباسی کے عہد میں کوفہ اور بصرہ کے علمی مراکز یہاں منتقل ہو گئے تھے۔ مامون نے یونانی فلسفے کو عربی میں ترجمہ کرانے کا اہتمام کیا تو سریانی اور یونانی زبان کے علماء، فلسفیوں اور طبیبوں نے یہاں کا رخ کیا۔ اس طرح یہ شہر عقلی اور شرعی علوم کے طالب علموں کا مرجع بن گیا تھا۔

کتب فروشوں کے بازار کی رونق بھی شہر کے کسی بازار سے کم نہ تھی، کاتبوں، جلد سازوں اور سیاہی سازوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی، کاغذ سازی کے کارخانے سیکڑوں سے کم نہ تھے۔ پورے شہر میں تین ہزار مسجدیں، دس ہزار حمام اور چار سو اسی (۴۸۰) اسپتال تھے۔

بغداد کی ایک خصوصیت مذہبی مناظرہ بازی تھی، مختلف قوموں اور نسلوں کے اجتماع مختلف فلسفوں اور مذہبوں کی موجودگی اور عباسیوں کی روادارانہ پالیسی نے اسے خوب فروغ دیا۔ اس سے ذہنوں میں وسعت اور دلوں میں فراخی تو پیدا ہوگئی، مگر خیالات میں عام طور پر الحاد اور اعمال میں اکثر و بیش تر فسق آ گیا۔ اس فسق و الحاد کو اطراف عالم سے سمٹ کر آئی ہوئی دولت، تربیت یافتہ

رقاصہ اور مغنیہ کنیزکوں اور نبیذ کے رواجِ عام نے مزید ہوا دی۔ یہاں تک کہ بشر بن حارث کو کہنا پڑا:

لیس بغداد منزل العباد---

''بغداد عبادت گزار لوگوں کی منزل گاہ نہیں ہے''---

تمام بڑے شہروں کی طرح دولت و امارت کے پہلو بہ پہلو غربت و افلاس کے جاں گداز مناظر بھی نظر آتے تھے۔ غلاموں کے علاوہ آزاد شہریوں کی ایک بڑی تعداد افلاس کی چکی میں پس رہی تھی، جنھیں دیکھ کر ابو العتاہیہ نے کہا تھا:

''بغداد ان لوگوں کے لیے نہیں لیکن یہ خواہ مخواہ یہاں ٹھسے پڑے ہیں''---

یہ بغداد تھا اور معتز باللہ کا عہد کہ شیخ غریبانہ اور طالب علمانہ یہاں وارد ہوئے۔ دیہات کے رہنے والے اٹھارہ سالہ نوعمر لڑکے پر گھر سے چار سو میل دور امیروں، رئیسوں، تاجروں، صنعت کاروں اور کنیزکوں کے اس شہر میں کیا گزری ہوگی؟ بہر حال سارے کھکیڑوں سے گزر کر مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لیا اور طلب علم کا آغاز کر دیا۔

اساتذہ میں ابو زکریا تبریزی تھے کہ ادب و تفسیر میں یگانۂ روزگار تھے، علی ابن عقیل حنبلی، ابو الحسن محمد بن قاضی، ابو العلیٰ حنبلی، شیخ ابو الخطاب محفوظ الکلوذانی فقہ و اصول کے استاد تھے۔

مشائخ حدیث کی فہرست تو خاصی طولانی ہے، جس میں ابو البرکات طلحہ العاقولی، ابو الغنائم محمد بن علی میمون الفرسی، ابو عثمان اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی، ابو طاہر عبد الرحمٰن بن احمد، ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی، ابو العز محمد بن المختار الہاشمی، ابو منصور عبد الرحمٰن القراز کے نام زیادہ معروف ہیں۔

چالیس دینار گیلان کے دیہات میں تو ایک رقم تھی لیکن بغداد کے مہنگے شہر میں اس کی اوقات کیا تھی؟ جزرسی اور کفایت شعاری کے باوجود چند ماہ میں جیب خالی تھی۔

جب فاقوں پہ فاقے گزرنے لگے تو ایک نانبائی کے پاس پہنچے اور اس سے کہا:

''بھائی اگر ہو سکے تو ڈیڑھ روٹی مجھے قرض دے دیا کرو اور جب قدرت ہوئی تو ادا کر دوں گا، مر گیا تو بخش دینا''---

بات اس انداز سے کہی کہ نانبائی آب دیدہ ہو گیا اور کہا:

''آپ جب چاہیں اور جو چاہیں لے جایا کریں''---

کچھ عرصہ گزر گیا تو قرض کی ادائیگی کا خیال ستانے لگا۔ دست غیب نے راہنمائی کی، ایک جگہ سونے کا ٹکڑا پایا، وہ نانبائی کو دیا اور قرض سے سبک دوش ہو گئے۔ اسی انداز سے دو برس گزر گئے تھے کہ نیلے آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے مفقود ہو گئے، زمین خشک ہو گئی، سبز پتے زرد ہو گئے،

فصلیں جھلس گئیں اور قحط پھوٹ پڑا، دیہات کے دہقان اور صحراء کے بدوی شہر کی طرف امنڈ پڑے، اناج چڑھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترسنے لگے۔ انہیں ایام میں کئی روز کا فاقہ تھا، محلّہ قطعیہ شرقیہ سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص نے از راہ خیرات ایک پرچہ کاغذ دیا، جسے دکھا کر نان حلوہ لیا جا سکتا تھا۔ آپ نے نان حلوہ لے لیا اور ایک غیر آباد مسجد میں آ گئے کہ اسے تناول فرمالیں۔ اچانک ایک بوسیدہ کاغذ پر نظر پڑی، جسے ہواؤں نے صحنِ مسجد کے ایک گوشے میں لا ڈالا تھا، مطالعہ کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ اسے لپک کر اٹھالیا اور پڑھنا شروع کر دیا، ایک جگہ لکھا تھا:

''شیروں کو لذاتِ دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا''---

بات دل کو لگی، اٹھے اور نان حلوہ کسی اور فاقہ زدہ کو دے دیا۔

بغداد کے اس قحط کی داستانیں زائروں اور تاجروں کی زبانی دور دراز شہروں میں پھیل گئیں، لوگ کاروان سراؤں، مسجدوں، حماموں اور دکانوں پر اہل بغداد کی عظیم مصیبت کا ذکر بڑے حزن و ملال سے کرتے کہ وہ گندم کے ایک ایک دانہ کو ترس گئے ہیں، زمین سبزی سے خالی ہو چکی ہے اور لوگ درختوں کے پتے چٹ کر گئے ہیں۔ خبریں بوڑھی ام الخیر فاطمہ تک بھی جا پہنچیں اور ان کی چشم تصور اپنے بیٹے کو فاقہ زدوں کے ہجوم میں دیکھنے لگی۔ میرے بیٹے خدا تجھے محفوظ رکھے، یہ کہہ کر وہ اٹھیں اور بغداد جانے والے کسی قافلہ کی تلاش کرنے لگیں۔ یہ انہیں دنوں کا ذکر ہے کہ کئی دن سے آپ کو کچھ نہیں ملا تھا۔ دجلہ کے کنارے گئے کہ گھاس پات کھائیں، لیکن لوگ تو کب کے چٹ کر چکے تھے۔ فرماتے ہیں:

''بھوک کی شدت سے میرا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک عجمی نوجوان روٹی اور بھنا ہوا گوشت لے کر مسجد میں داخل ہوا، میرا یہ حال تھا کہ اس کے ہر لقمہ کے ساتھ میرا منہ بھی کھل جاتا اور یہی چاہتا کہ کاش مجھے بھی کچھ مل جائے۔ اخیر میں نے اپنے آپ کو ملامت کی کہ بے صبر مت بن اور توکل اختیار کر، جب نفس مطمئن ہو گیا اور میں اس شخص کی طرف سے بے نیاز ہو گیا تو اس کی نظر خود ہی مجھ پر پڑی، اصرار کر کے مجھے کھانے پر بٹھالیا۔ جب حالات دریافت کیے تو میں نے کہا، جیلان کا باشندہ ہوں اور حصولِ علم کے لیے مقیم ہوں''---

یہ سن کر وہ بہت مسرور ہوا اور کہنے لگا، میں بھی جیلان کا رہنے والا ہوں۔ کیا تم جیلان کے رہنے والے ایک نوجوان عبدالقادر کو جانتے ہو؟ میں ہی عبدالقادر جیلانی ہوں۔ وہ بے چین ہو گیا،

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بولا:

بھائی! میں نے تمہاری امانت میں خیانت کی ہے، خدا کے لیے بخش دو"---

مجھے حیرت ہوئی اور کہا، کیسی امانت اور کیسی خیانت، کھل کر بات کرو۔ اس نے جواب دیا:

"آپ کی والدہ نے میرے ہاتھ آپ کے لیے آٹھ دینار بھیجے تھے، میں کئی روز سے تمہیں تلاش کر رہا تھا کہ تمہاری امانت کے بارے سبک دوش ہو جاؤں لیکن تمہارا پتا نہ چلتا تھا، میرا ذاتی خرچ ختم ہو گیا، اس لیے تمہاری امانت سے کھانا خرید کر کھا رہا ہوں۔ یہ کھانا دراصل تمہارا ہے کہ تمہاری امانت سے خریدا گیا، تم میرے مہمان نہیں بلکہ میں تمہارا مہمان ہوں۔ خدا کے لیے میرا گناہ بخش دو"---

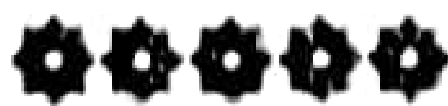
پھر آپ نے اپنی پاکیزہ ہستی کے پاکیزہ مہمان کی کیا کچھ خاطر تواضع کی ہو گی اور گھر بار، بھائی اور پیاری بوڑھی ماں کا کس کس طرح سے حال پوچھا ہو گا، چشمِ تصور شاید کچھ اندازہ کر سکے۔

آٹھ دینار، قحط کے دن اور شیخ سا مخیّر نوجوان، کے دن گزرتے؟ موسم بدستور رہا، جیب کے ساتھ پیٹ پھر خالی ہو گیا، بھوک سے بے چین اور نڈھال ہو کر ادھر ادھر پھرنے لگے، بغداد سے کچھ دور ایوان کسریٰ کے کھنڈرات تھے، وہاں پہنچے تو فاقہ زدوں کا ایک ہجوم مرگ و زیست کی کش مکش میں مبتلا تھا، واپس لوٹے تو گیلان کے ایک آدمی کو تلاش کرتے پایا، اس جگہ واقف و شناسا ہم وطن کا ملنا خود باعثِ مسرت تھا، مگر کتنا اضافہ ہوا ہو گا اس میں، جب اس نے بوڑھی ماں اور چھوٹے بھائی کی خیریت کے ساتھ سونے کا ٹکڑا پیش کیا ہو گا۔ الحمد للہ کہہ کر لے لیا اور ایوانِ کسریٰ کے کھنڈرات میں پہنچے۔ نصف سونا اپنی ضرورت کے لیے رکھا اور نصف ان فاقہ زدوں کے سامنے رکھ دیا اور کہا:

"میری غیرت اسے برداشت نہ کر سکی کہ میں تو کھاؤں اور آپ بھوکے رہیں، اسے بیچ کر کھانا کھا لیجیے"---

انہی فاقہ مستیوں میں تحصیل علوم ہوتی رہی۔ آٹھ برس گزر گئے، ۴۹۶ھ میں دستار فضیلت بندھی، جب فارغ ہو گئے تو وقت کے علماء میں کوئی ہم سر اور ہم پلہ نہ تھا۔

[شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ، حکیم غلام حیدر سہیل، مطبوعہ پاکستان ٹائمز پریس لاہور، طبع چہارم ۱۹۶۹ء، سے اقتباس]



قطبیت کبریٰ

(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری

اللہ تبارک وتعالیٰ کے وہ محبوب بندے، جنھیں اس کائنات میں خصوصی عزت، عظمت، شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی اور جنھیں اللہ تعالیٰ جل وعلا نے اپنے خاص قرب سے نواز رکھا ہے، ان میں محبوب سبحانی، قطب ربانی، شہباز لامکانی، سیدنا غوث اعظم جیلانی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ نہایت ممتاز ہے--- آپ نسبی وروحانی اعتبار سے حضور پُرنور سید عالم، رحمت مجسم، حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لخت جگر اور نور نظر ہیں--- آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ پر خصوصی شفقت اور نگاہ رحمت ہے--- یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ، صورت وسیرت اور جملہ کمالات ظاہری وباطنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ووارث اور مظہر اتم ہیں---

آپ رضی اللہ عنہ نے اتباع نبوی میں زندگی بسر کی اور تصوف وطریقت اور شریعت مصطفوی کی ترویج واشاعت اور تجدید واحیاء دین کے لیے خود کو وقف کر رکھا تھا---

آپ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات، فیضان مصطفوی کی امین اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی جانب سے نعمت عظمیٰ کی حیثیت رکھتی ہے---

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو غوثیت عظمیٰ اور قطبیت کبریٰ کے منصب پر فائز فرمایا اور یہ منصب جلیلہ قیامت تک کے لیے آپ کو حاصل ہے---حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز نے اپنے آخری مکتوب میں اسے مفصل بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ بیہقیٔ وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ العزیز، تفسیر مظہری میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

کمالات ولایت کے قطب ارشاد حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ ہیں---

مَا بَلَغَ اَحَدٌ مِّنَ الْاُمَمِ السَّابِقَةِ دَرَجَةَ الْاَوْلِيَآءِ اِلَّا بِتَوَسُّطِ رُوْحِهٖ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ثُمَّ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْصَبِ الْاَئِمَّةُ الْكِرَامُ اَبْنَائُهٗ اِلَی الْحَسَنِ الْعَسْكَرِيِّ وَ عَبْدِ الْقَادِرِ الْجِيْلِيِّ وَ مِنْ ثَمَّ قَالَ:

وَ وَقْتِیْ قَبْلَ قَلْبِیْ قَدْ صَفَالِیْ

وَ هُوَ عَلٰی ذٰلِكَ الْمَنْصَبِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ مِنْ ثَمَّ قَالَ (شعر):

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِيْنَ وَ شَمْسُنَا

اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ [۱]

''پہلی امتوں میں جسے بھی ولایت ملی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روح کے توسط سے نصیب ہوئی، پھر یہ منصب آپ کے صاحبزادگان سے امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ تک ائمہ اہل بیت اطہار کو ملا اور پھر (امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بعد) یہ منصب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوا---اس لیے آپ فرماتے ہیں:

''میری روحانی حالت میرے قلب وقالب (جسم) کے پیدا ہونے سے پہلے ہی برگزیدہ و مصفیٰ تھی''---

اب قیامت تک یہ منصب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے پاس رہے گا---اس کا اظہار آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے (درج بالا) شعر (افلت شموس......الخ) میں فرمایا---جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

ہوئے غروب آفتاب اقطاب اولین کے، مگر ہمیشہ

بلندیوں کے افق پہ چمکے گا نیّر ضوفشاں ہمارا

[صاحبزادہ سید نصیر الدین نصیر]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کہتے ہیں:

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا [۲]

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

تا آں کہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ رسید و چوں نوبت بایں بزرگوار شد، منصب مذکور باو مفوض گشت و مابین ائمہ مذکورین و حضرت شیخ ہیچ کس بریں مرکز مشہود نمی گردد، و وصول فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و نجباء بتوسط شریف او مفہوم می شود، چہ ایں مرکز غیر اورا میسر نہ شدہ---[۳]

''ولایت اور قرب کا خصوصی اور مرکزی مقام ائمہ اہل بیت سے منتقل ہو کر جب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حوالے ہوا تو یہ مقام آپ سے مختص ہو گیا---آپ کے اور ائمہ اہل بیت کے درمیان کوئی شخص بھی اس مرکز پر جلوہ گر نہیں ہوا---اب اس راہ (قرب و ولایت) میں اقطاب و نجباء سب کو آپ ہی سے فیض حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ یہ مرکز آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوا''---

اب سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد بھی جس کسی کو فیض ملتا ہے، وہ آپ رضی اللہ عنہ ہی کی وساطت سے نصیب ہوتا ہے---علامہ محمود آلوسی علیہ الرحمہ، تفسیر روح المعانی میں رقم طراز ہیں:

فَنَالَ مَرْتَبَةَ الْقُطْبِیَّةِ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِصَالَةِ فَلَمَّا عَرَجَ بِرُوْحِهِ الْقُدْسِیَّةِ اِلٰی اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ نَالَ مَنْ نَالَ بَعْدَهُ تِلْکَ الرُّتْبَةِ عَلٰی سَبِیْلِ النِّیَابَةِ عَنْهُ فَاِذَا جَاءَ الْمَهْدِیُّ یَنَالُهَا اِصَالَةً کَمَا نَالَهَا غَیْرُهُ مِنَ الْاَئِمَّةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ---[۴]

''ائمہ اہل بیت کے بعد سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ قطبیت کبریٰ کے منصب پر فائز ہوئے---اصل قطب آپ ہی ہیں، آپ کے وصال کے بعد بھی ہر قطب آپ کا نائب ہے، پھر قیامت کے قریب امام مہدی تشریف لائیں گے تو وہ بالاصالہ قطب ہوں گے''---

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

وَ کُلُّ بِلَادِ اللّٰهِ مُلْکِیْ حَقِیْقَةً
وَ اَقْطَابُهَا مِنْ تَحْتِ حُکْمِیْ وَ طَاعَتِیْ [۵]

''اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں پر حقیقۃً میری حکومت ہے اور جملہ اقطاب میرے تابع فرمان اور زیر نگین ہیں''---

اللہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ، اپنے محبوب و مقرب بندے، مظہر مصطفیٰ، وارث رسول اللہ، سیدنا غوث الوریٰ (علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا مقام و مرتبہ سمجھنے اور ان کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اور نور معرفت، ایمان پر استقامت اور دنیا و آخرت میں اپنے خاص اور مقرب بندوں کی معیت نصیب فرمائے---

آمِیْنَ بِجَاهِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ ابْنِهِ الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ وَ سَائِرِ اَوْلِیَآءِ اُمَّتِهٖ وَ عُلَمَآءِ مِلَّتِهٖ اَجْمَعِیْنَ

حوالہ جات

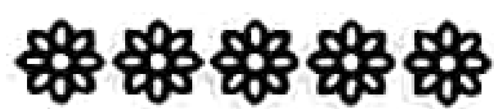
۱......قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، جید برقی پریس دہلی، جلد۲، صفحہ۱۲۰

۲......حدائق بخشش، جلد۱، صفحہ۶

۳......شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، نولکشور لکھنؤ، جلد۳، صفحہ۲۴۸

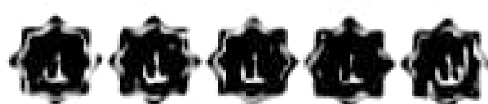
۴......سید محمود آلوسی، روح المعانی، احیاء التراث العربی، بیروت، جلد۲۲، صفحہ۱۹

۵......سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ، قصیدہ غوثیہ، برحاشیہ بہجۃ الاسرار، صفحہ۲۲۷



عشق کی سوغات ہے غوث الوریٰ کی گیارھویں — حسن کی خیرات ہے غوث الوریٰ کی گیارھویں
اہل دل ، اہل نظر ، اہل محبت کے لیے — جامع برکات ہے، غوث الوریٰ کی گیارھویں
اللہ اللہ ہر طرف ہے روشنی ہی روشنی — نور کی برسات ہے غوث الوریٰ کی گیارھویں
بے کسو اٹھو ، بڑھو ، اے بے سہارو ، غم زدو — دافعِ آفات ہے، غوث الوریٰ کی گیارھویں
اک فقیرِ بے نوا کیا ، ہر گدا کے واسطے — دولتِ درجات ہے، غوث الوریٰ کی گیارھویں

صاحبزادہ محمد اسماعیل فقیر الحسنی



تیسری و آخری قسط

تصرف واختیار کے متعلق حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

مفتی جلال الدین امجدی

حضرت علامہ عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز ابوالمعالی نامی درویش حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوئے، مجلس کے دوران ان کو پاخانہ کی حاجت ہوئی جس نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ یہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بالکل بے طاقت ہو گئے، انہوں نے شیخ کی طرف استغاثہ کے طور پر دیکھا۔ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ منبر سے ایک زینہ نیچے اتر آئے، اس وقت پہلے زینہ پر آدمی کے سر کی طرح ایک سر ظاہر ہوا۔ جب دوسری سیڑھی پر حضرت اترے تو اس سر کے دوسرے اعضا کندھا اور سینہ ظاہر ہوئے، اس طرح حضرت زینہ بزینہ اترتے تھے اور وہ شکل انسانی مکمل ہوتی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ حضرت کی شکل میں متشکل ہو گئی اور آواز بھی بالکل حضرت جیسی اس شکل سے آتی تھی۔ کلام بھی بالکل حضرت کے کلام جیسا تھا۔ اس شکل کو سوائے اس حاجت مند کے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت حضرت اس شخص کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی آستین اس شخص کے سر پر ڈال دی۔ آستین کا پڑنا

تھا کہ ابوالمعال نے اپنے آپ کو ایک لق ودق میدان میں پایا، جہاں ایک نہر جاری تھی اور نہر کے کنارے ایک گھنا درخت تھا، ابوالمعال نے اپنی کنجیوں کا گچھا اس درخت کی شاخ سے لٹکا دیا اور قضائے حاجت میں مشغول ہو گئے۔ فراغت کے بعد نہر سے وضو کیا اور دو رکعت نفل نماز ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے وہ آستین اس کے سر سے اٹھائی تو انہوں نے اپنے آپ کو پھر اسی مجلس میں موجود پایا۔ ابوالمعال کے اعضائے وضوابھی تک پانی سے تر تھے اور پاخانہ کی حاجت رفع ہو چکی تھی اور حضرت بھی اسی طرح منبر پر وعظ میں مصروف تھے، گویا نیچے تشریف ہی نہیں لائے تھے۔ ابوالمعال بھی خاموش بیٹھے رہے اور کسی سے کچھ نہیں کہا لیکن جب کنجیوں کا گچھا اپنے پاس موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئے۔ ایک مدت دراز کے بعد ابوالمعال کو سفر کرنے کا اتفاق ہوا، بغداد شریف سے چودہ دن کا راستہ تھا، اثنائے سفر ایک میدان سے گزرے جہاں نہر تھی، ابوالمعال وضو کرنے کے لیے نہر پر گئے تو وہی نہر تھی جہاں قضائے حاجت کے بعد اس روز وضو کیا تھا، وہاں انہوں نے اس درخت کو بھی پہچان لیا، ان کی کنجیوں کا گچھا اسی طرح اس درخت کی شاخ پر لٹکا ہوا تھا۔ ابوالمعال کہتے ہیں کہ جب میں بغداد واپس آیا تو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ قصہ بیان کیا۔ شیخ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا:

''اے ابوالمعال! جب تک میں زندہ ہوں، یہ بات کسی سے نہ کہنا''-----[نفحات الانس، صفحہ ۶۷۷]

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ واضح طور پر ثابت کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے تصرف کی وہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ جنہیں سن کر انسانی عقل حیران ہو جائے۔

اور حضرت علامہ محمد بن یحیٰ تادفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ میں ایسا سیلاب آیا کہ پانی بغداد کی آبادی تک پہنچ گیا اور تمام لوگوں کو اپنے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا تو وہ لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لیے درخواست کی۔ آپ اپنا عصا مبارک لے کر دجلہ پر پہنچ گئے اور عصا کو دریا کی اصل حد پر نصب کر کے فرمایا ''اسی جگہ ٹھہر جا'' چنانچہ فوراً پانی گھٹنا شروع ہو گیا اور اپنی اصلی حد پر آ گیا۔ [قلائد الجواہر، صفحہ ۲۶]

اس واقعہ سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا عقیدہ ظاہر کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے پانی

Scanned with CamScanner

پر بھی حکومت عطا فرمائی ہے۔

حضرت علامہ تادفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوصالح عباس بیان فرماتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ منصورہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے اور وہاں سے اپنے مدرسہ کی طرف واپس ہوئے تو اپنے چہرے پر سے رومال ہٹایا اور ایک بچھو پیشانی پر سے ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر پھینک دیا اور جب وہ بھاگنے لگا تو فرمایا کہ "خدا کے حکم سے مر جا" چنانچہ اسی وقت وہ مر گیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس نے جامع مسجد سے لے کر اس جگہ تک مجھے ساٹھ مرتبہ ڈنگ مارا ہے۔ [قلائد الجواہر، صفحہ ۳۰]

حضرت علامہ تادفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ معمر جرادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں شیخ عبد القادر کے مکان پر حاضر ہوا تو آپ کچھ تحریر فرما رہے تھے۔ اچانک چھت میں سے تین مرتبہ مٹی گری اور آپ نے اس کو جھاڑ دیا لیکن چوتھی مرتبہ ایسا ہوا تو آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہاں ایک چوہا مٹی گرا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تیرا سر اڑ جائے۔ یہ کہتے ہی اس کا سر ایک جانب گرا اور جسم دوسری جانب گرا۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ لکھنا چھوڑ کر رونے لگے اور جب میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں میرے دل کو تکلیف پہنچانے کے سبب سے کسی مسلمان کو اسی طرح تکلیف نہ پہنچ جائے جیسی کہ چوہے کو پہنچی ہے۔

اور شیخ عمر بن مسعود بزاز بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ مدرسہ میں وضو فرما رہے تھے کہ اچانک ایک چڑیا نے آپ کے کپڑوں پر بیٹ کر دی اور جب آپ نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا تو چڑیا مردہ ہو کر نیچے گر پڑی۔ [قلائد الجواہر، صفحہ ۳۵]

مذکورہ بالا واقعات اور اپنے کلمات سے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ عقیدہ واضح طور پر ظاہر کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے تصرف کی وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ جو میری زبان سے نکل جائے گا یا جو میں دل میں چاہوں گا وہی ہو جائے گا۔

حضرت علامہ تادفی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوالحسن علی بن ملاعب القواس (جن کی صداقت مشہور زمانہ ہے) فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ہمراہ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ اس جماعت نے اپنے حالات کے مطابق دعا کرانے کا ارادہ کیا لیکن ہماری اس بڑی

Scanned with CamScanner

جماعت میں ایک بغیر داڑھی مونچھ کا نوعمر لڑکا بھی شامل تھا، جس کے بارے میں ہم سب لوگوں کو معلوم تھا کہ اس کی عادتیں بری ہیں، کیوں کہ نہ تو وہ پیشاب پاخانہ کر کے استنجا کرتا تھا اور نہ ہی غسل جنابت کرتا تھا۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اپنی حاجتیں بیان کرنے کے بعد حضرت شیخ سے دعا کی درخواست کی اور جب میں نے آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا تو پوری جماعت بوسہ دینے کے لیے ٹوٹ پڑی۔ مگر جب وہ نوعمر لڑکا بڑھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا دست مبارک کھینچ کر آستین میں چھپالیا اور اس لڑکے پر ایسی نظر ڈالی کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کی داڑھی اور مونچھیں نکل آئی تھیں۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور پھر آپ نے اس سے مصافحہ کیا۔ [قلائد الجواہر، صفحہ ۳۲]

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ سے اپنا یہ عقیدہ ثابت کر دیا کہ خدائے تعالیٰ نے تصرف پر مجھے ایسی قدرت بخشی ہے کہ میں بیک نگاہ نوعمر لڑکے کو داڑھی مونچھ والا بنا سکتا ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

''اور یہی فنا کی حالت ہے جو اولیاء وابدال کی حالتوں کی انتہا ہے۔ پھر ان کو تکوین (یعنی کُن کہنا) عطا کیا جاتا ہے تو پھر ان کو جس چیز کی حاجت ہوتی ہے وہ سب کچھ باذن اللہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حق سجانہ جل وعلا کا ارشاد اس کی بعض کتابوں میں ہے:

اے بنی آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں وہ ہوں کہ کسی چیز کو کہتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو بھی میری اطاعت کر میں تجھے بھی ایسا کر دوں گا کہ تو بھی کسی چیز کو کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی'' ----- [فتوح الغیب مع بہجۃ الاسرار، صفحہ ۱۰۹]

اس عبارت میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے تصرف کے بارے میں اپنا عقیدہ خود ہی واضح لفظوں میں بیان فرما دیا کہ خدائے تعالیٰ اپنے مطیع وفرماں بردار بندوں کو مرتبۂ تکوین عطا فرما دیتا ہے کہ وہ کسی چیز کو کہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے قصیدہ غوثیہ میں خود ارشاد فرمایا ہے:

وَ وَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا

فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالٖ

''مجھے اللہ نے تمام قطبوں پر حاکم بنا دیا ہے تو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے'' -----

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ
لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ

''تو اگر میں اپنی محبت کا بھید دریاؤں پر ظاہر کردوں تو ان کا کل پانی زمین کی تہ میں دھنس جائے، یعنی سب دریا خشک ہو جائیں''-----

وَ لَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ
لَدُکَّتْ وَ اخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

''اگر میں اپنی محبت کا راز پہاڑوں پر ظاہر کردوں تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر ریت میں چھپ جائیں''-----

وَ لَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ
لَخَمِدَتْ وَ انْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِیْ

''اور اگر میں اپنی محبت کی حقیقت آگ پر ظاہر کردوں تو وہ بجھ جائے اور اپنی روشنی سے محروم ہو جائے''-----

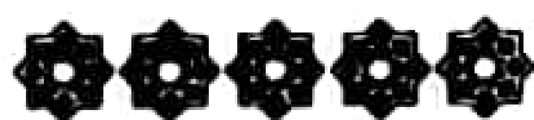
وَ لَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

''اور اگر میں اپنی محبت کا راز کسی مردہ پر ظاہر کردوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے''-----

بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ
وَ وَقْتِیْ قَبْلَ قَلْبِیْ قَدْ صَفَالِیْ

''اللہ تعالیٰ کے شہر میرا ملک اور میرے حکم کے ماتحت ہیں اور میرا وقت میری جان سے پہلے میرے لیے صاف ہو چکا ہے''-----

ان اشعار سے بھی حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا عقیدہ کھلم کھلا ظاہر ہے۔



گل ہائے نیاز و عقیدت

بہ خدمت فلک درجت محبوب سبحانی حضرت غوث الاعظم پیران پیر دستگیر ؓ
بہ مناسبت عرس گیارہویں شریف ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ / سال وصال ۵۶۲ھ

مہِ گیلان، سرتاجِ ولایت — شہِ فقر و جہاں دار طریقت
امامُ الاولیائے پاک طینت — مثالی دی خدا نے اس کو عظمت
زباں سے بھی کیا، تحریر سے بھی — ہویدا اوج و اجلالِ شریعت
حیاتِ نو عطا کی مردِ حق نے — تھا جب کمزور دینِ جانِ رحمت
ہزاروں، سیکڑوں، لاکھوں کو اس نے — دکھائی راہِ ایمان و ہدایت
رہا مشکل ترین اوقات میں بھی — زباں پر اس کی اعلانِ صداقت
کسی آمر کو خاطر میں نہ لایا — نہ دل میں تھی کسی جابر کی ہیبت
وجود اس کا دلیلِ اوجِ اسلام — وہ برہانِ کمالِ دینِ حضرت
وہ عالم گیر حیثیت کا مالک — جہاں گیر اس کا فیضِ علم و حکمت

کہی طارق نے ''جلوہ گاہ عرفاں''
۴۷۱ھ
شہِ والا کی تاریخ ولادت
وہ لاریب، ''آسمانِ جاہِ عرفاں''
۵۶۲ھ
اس عالی مرتبت کا سالِ رحلت
''افادہ'' سے ہے دیدہ زیب عالم
۹۱
حیاتِ والیِ ملکِ حقیقت

طارق سلطان پوری

کشف و کرامت کے متعلق

معذرت آمیز اور مدافعانہ طرز عمل

سید محمد فاروق القادری

کشف و کرامات کا نام آتے ہی بعض لوگ یوں چونک اٹھتے ہیں، جیسے کسی نے بے خبری میں ان کی ہتھیلی پر انگارہ رکھ دیا ہو۔ یہ دراصل ذہنی اور فکری طور پر اس مرعوبیت کا اثر ہے جو انگریز کے دور غلامی میں ہم نے قبول کی ہے۔

انسان کیا ہے، اس میں کتنے جہاں آباد ہیں؟ اس کی ظاہری و مخفی قوتیں اپنے اندر کس قدر وسعتیں رکھتی ہیں، کیا یہ شاہ کار قدرت ہڈیوں کے مالے اور گوشت کے لوتھڑے کے سوا کچھ اور بھی ہے یا نہیں؟ یہ وہ سوال ہیں، جن کے بارے میں سائنس اس قدر ترقی کر جانے کے باوجود ایک شمہ کی روزن کشائی بھی نہیں کر سکی۔ کیا انسان کی ظاہری و باطنی قوتوں اور اس میں پوشیدہ خزانوں کی ہم اچھی طرح نقاب کشائی کر چکے ہیں، کوئی بھی باہوش آدمی ایک لمحے کے لیے یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسے امر میں جو تمام مذاہب اور اقوام کا مشترک سرمایہ ہے، ہم اتنے ذکی الحس اور مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ عین امکان ہے کہ کل کلاں دوسرے کئی مسائل کی طرح ہماری سائنس اور جدید ٹیکنالوجی مشاہداتی طور پر ان چیزوں کی تصدیق کر دے جنہیں ہم کشف و کرامت کا نام دیتے ہیں۔

آخر آج سے دو سو سال پہلے ہزار میل کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھنا اور گفتگو کرنا یا ہوا پر اڑنا بھی محیر العقول کرامات ہی تھی نا، مگر آج وہی کرامت، سائنس نے حقیقت کے روپ میں ظاہر کر دی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حیرت انگیز اور محیر العقول دعوے کرنے والے خدا ترس، نیک اور متقی انسان، عقلی، فکری اور سائنسی اعتبار سے ہم سے کئی سو یا ہزار سال آگے ہیں۔

ہم ان کی باتوں کو دیوانے کا خواب اس لیے کہتے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

آج ریڈیو، ٹیلے ویژن، ٹیلیفون اور وائرلیس کو حقیقت اور کرامت یا معجزے پر ناک بھوں چڑھانے والے حضرات اس بات سے کیوں صرف نظر کر لیتے ہیں کہ یہ چیزیں انسانی دماغ کی ایجاد ہیں اور ممکن ہے کہ بعض دل اور دماغ ایسے ہوں جو ان آلات کی مدد کے بغیر اپنے خصوصی جوہر اور فطری استعداد کی بناء پر ریڈیو، ٹیلے ویژن اور وائرلیس کا کام کرتے ہوں۔ آخر اس میں عقلی استحالہ کیا ہے؟

دنیا میں ترقی کے جو مظاہر دیکھنے میں آرہے ہیں، وہ انسانی دماغوں کا نتیجہ ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کے دماغ گنے چنے اور محدود ہیں، ہوسکتا ہے کہ کچھ دماغ اپنی پرواز میں ان سے بھی آگے ہوں۔ معجزہ اور کرامت کے سلسلے میں برصغیر کے مسلمانوں میں جو معذرت خواہانہ طرز عمل پیدا ہوا ہے، یہ سرسید تحریک کا نتیجہ ہے۔ غلام قوم نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو آقا اور حاکم کی ہر معاملے میں وفادار، خیر خواہ اور ہم خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

ہندوستان پر انگریزی تسلط اور مستشرقین کے اعتراضات کو ایک ہی تناظر میں دیکھا جائے تو اس محکومی کی حالت میں ہمارے کچھ زعماء نے اسلامی عقائد، روایات اور چودہ سو سالہ تہذیبی ورثے کی اس طرح مرمت کی کہ اسے مُثلہ کر کے رکھ دیا۔ پھر یہی نہیں بلکہ اپنے ان نظریات کو تحریک بنا کر پھیلانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

سرسید تحریک کے بارے میں معروف شاعر جناب جوش ملیح آبادی نے کتنے پتے کی بات کہی ہے، ان کا بیان ہے:

> ''۱: دراصل علی گڑھ تحریک اٹھائی ہی گئی تھی اس غرض سے کہ مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے بے تعلق ثابت کر کے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی جائے کہ مسلمانوں کا دل حب وطن کی سی ذلیل چیز سے قطعی آلودہ نہیں ہے۔
>
> ۲: مسلمانوں کو پیٹ پالنے کی خاطر فقط اس قدر تعلیم دی جائے کہ وہ بابو یا ڈپٹی کلکٹر بن کر بڑا بابو بن سکے۔
>
> ۳: اپنی زبان کو فراموش کر کے انگریزی میں اس قدر غرق ہو جائے کہ وہ انگریزی میں سوچے اور انگریزی میں خواب دیکھے۔
>
> ۴: وہ مغربیت اختیار کر کے مشرق سے اس قدر بیزار ہو جائے کہ اپنی معاشرت، اپنی زبان، اپنے ادب، اپنے روایات، اپنی ثقافتی وراثت کو ذلیل، یہاں

تک کہ آپنے باپ دادا کو احمق سمجھنے لگے۔

۵: اور اس کا نتیجہ یہ برآمد ہو کہ حکومت برطانیہ کو دوام حاصل ہو جائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مزاج روزگار کی کارفرمائی کی بدولت اس شر سے خیر اور اس نقصان سے کچھ فائدے کے پہلو بھی نکل آئے،لیکن جب آخری حساب کتاب کے بعد میزان کل کی نوبت آئی تو پتہ چلا کہ اس کاروبار میں نفع بہت کم اور گھاٹا زیادہ ہوا اور قلیل سود کا کثیر زیاں احاطہ کیے ہوئے ہے"۔[۱]

سر سید مکتب فکر کے لوگوں، بالخصوص مولانا شبلی نے ان نظریات کو آگے بڑھایا اور انہوں نے اپنے علمی کام کی ساری بنیاد انہی نظریات پر کھڑی کی، مگر لاشعوری طور پر اس سے ہمارے علماء کا بھی ایک طبقہ متاثر ہوا ہے، جنہیں ہم جدید معنوں میں قدرے جدت پسند کہہ سکتے ہیں۔

علماء کے طبقے کی مجبوری یہ ہے کہ انگریزی تسلط کے بعد معاشی اور معاشرتی اعتبار سے اسے کوئی حیثیت حاصل نہیں رہی۔انگریز اسے دشمن نمبر ایک سمجھتا رہا تو اس کے جانشین شاہ سے بھی زیادہ شاہ کے وفادار نکلے،انہوں نے علماء کا درجہ شودروں سے زیادہ باقی نہیں رکھا۔مگر صد آفرین ہے اس قوم پر کہ اس نے اسلامی علوم کی حفاظت اور مساجد کی آبادی کے ساتھ حریت فکر، تقویٰ، طہارت، خدا ترسی اور للّٰہیت کے جذبات کو ہر دور میں بدستور گلے لگائے رکھا، تاہم نفسیاتی طور پر حکمران اور جدید وسائل کے حامل اور معاشی اعتبار سے برتر طبقے سے متاثر ہونا فطری امر ہے اور یہ طبقہ تو وہی چلا آ رہا ہے جو فکری، عملی، اعتقادی اور ظاہری طور پر انگریز بہادر کا جانشین ہے۔

یہ تاثر قبول کر لینے کا نتیجہ ہے کہ ہمارے علماء کا ایک طبقہ معجزات اور کرامات کے بارے میں گریز اور فرار کی پالیسی اختیار کرنے لگا ہے۔

ایک سچے مسلمان کے عقیدے میں اسلام آخری اور مکمل دین ہے۔اس کی تشریح و تعبیر آں حضور ﷺ، صحابہ کرام اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم سے ہمارے پاس محفوظ ہے۔سائنس نے اتنی ترقی کے باوجود ہمارے دین کی کسی بات کو دو دو چار کی طرح غلط ثابت نہیں کیا اور نہ وہ ہمارے عقیدے کے مطابق ایسا کر سکتی ہے۔اگر کسی دور میں کچھ لوگ اپنے فہم کے مطابق دین کی کئی باتوں کو غیر عقلی یا غلط ثابت کرنے لگیں تو ہمیں ان کی فہم و فراست کی بجائے چودہ سو سالہ ابنائے اسلام کی فہم و فراست پر اعتماد کرنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ ان حضرات کی جو باتیں ہمیں آج انتہائی دل کش، موزوں، سائنٹفک اور علمی نظر آ رہی ہیں، کل وہ بالکل غلط، جاہلانہ اور غیر مہذب قرار پا جائیں۔

دنیا کے بڑے بڑے نظریات کی تاریخ کو آخر آپ سامنے کیوں نہیں رکھ لیتے، پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ اگر ہم اپنی تاریخی روایات اور عقائد کا ایک ایک کر کے مُسلہ کرتے جائیں تو ہمارے پاس بچے گا کیا؟ مولانا روم علیہ الرحمہ نے غالبًا اسی صورت حال کے بارے میں یہ مشہور حکایت لکھی ہے:

''اہل قزوین میں سے ایک شخص اپنے جسم پر شیر کی تصویر گدوانے کے لیے گیا، ان کے ہاں یہ رواج عام تھا۔ حجام نے سوئی چبھوئی تو اس نے پوچھا، شیر کا کون سا حصہ گود رہے ہو؟ اس نے کہا، دم بنا رہا ہوں، وہ بولا، دم کے بغیر بھی تو شیر ہوتے ہیں، دم نہ بناؤ۔ اس نے دوبارہ سوئی چبھوئی تو پوچھنے لگا، کیا بنا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا، کان، وہ بولا، کانوں کے بغیر شیر زیادہ مہیب معلوم ہوگا، کان چھوڑ دو۔ حجام نے تیسری مرتبہ سوئی لگائی تو پوچھا، اب کیا بناتے ہو؟ حجام بولا، شیر کا پیٹ بنا رہا ہوں، اس نے کہا، اگر شیر بغیر پیٹ کے بن جائے تو کیا حرج ہے؟ حجام نے عاجز آ کر سوئی ایک طرف پھینک دی اور کہا، پھر شیر بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''۔

الغرض اسی طرح ہمارے عقائد اور تہذیبی ورثہ کا جو حشر ہوگا، وہ تو سب کے سامنے ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے آباء واجداد کے متعلق بھی آپ کو اپنی رائے بدلنا پڑے گی۔

یوں تو آپ اس بارے میں اتنے ذکی الحس ہیں کہ اپنے آباء واجداد جیسا کسی کو سمجھتے نہیں، ان کی کتابیں اور علم وحکمت کے موتی دیکھ کر آپ کے دل ہی پارہ ہونے لگتے ہیں، مگر یہاں آ کر آپ یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ ہمارے آباء احمق تھے، جاہل اور کم علم تھے، غیر ضروری خوش عقیدگی اور خوش فہمی کا شکار تھے، شخصیتوں کے بارے میں انہوں نے انتہائی غلط اور مافوق الانسان تصورات اپنا لیے تھے اور اس پر سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں کتابیں لکھ دی تھیں، لیکن ہم عقل مند، مہذب، معقول اور پڑھے لکھے لوگ ہیں، اس لیے ان کے ان غیر معقول نظریات کو غلط قرار دے کر ان کی ایسی کتابوں کو دریا برد کر رہے ہیں۔

تو جناب من! یہ بات تو کوئی انتہائی ناخلف اولاد ہی اپنے آباء کے بارے میں کہہ سکتی ہے:

فاعتبروا یا اولی الابصار!---

خود مسلمانوں میں یونانی افکار، معتزلہ اور اخوان الصفا کے نظریات نے کیا اودھم نہیں مچائی، لیکن انجام کیا ہوا، یہی نا کہ یہ جدید دل کش اور ''مضبوط علمی'' نظریات گرد وغبار کی طرح بیٹھ گئے اور انہیں اعتراف کرنا پڑا:

''اگر یہ بات تم سے کوئی محدث کہہ دیتا تو تم کہتے کہ اس ظاہر پرست اور حدثنا اور اخبرنا میں گم رہنے والے کو علم کلام وفلسفہ کے دقائق کیا معلوم؟ پس یہ بات تم سے وہ شخص کہتا ہے جس نے علم کلام اور تمام علوم عقلیہ میں علم ونظر کا وہ درجہ حاصل کیا جو متکلمین کا منتہی درجہ ہو سکتا ہے، تاہم آخر میں یہی معلوم ہوا کہ یہ راہ (عقلیات پر انحصار) حقیقت تک پہنچنے کے لیے بالکل بند ہے''۔(امام غزالی)۔[۲]

امام غزالی کے بعد امام رازی کی رائے بھی سن لیجیے:

لقد تاملت الطریق الکلامیه و النهج الفلسفیه فما رایتها تشفی علیلا و لا تروی غلیلا و رایت اقرب الطریق طریق القرآن---

''میں نے علم کلام وفلسفہ کے تمام طریقوں کے دیکھا بھالا، لیکن آخر میں یہی ثابت ہوا کہ نہ تو یقین کے دکھ کا یہاں علاج ہے اور نہ شک کے اضطراب کے لیے یہاں چین، بہتر واقرب طریقہ قرآن کا ہے''۔

قرآن مجید میں ایک نہیں بیسیوں ایسے واقعات ہیں جنہیں کرامت، خرق عادات اور معجزہ کہا جاتا ہے۔اصحاب کہف کا قصہ، سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ﴿و قال الذی عنده علم من الکتب﴾ کا واقعہ، ﴿او کالذی مر علی قریة﴾ والا واقعہ، حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ، انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات شاہد وناطق ہیں۔

کرامات اور معجزے کے لفظ سے بدکنے والے حضرات ان کی جو تاویلیں کرتے ہیں اور جس طرح توجیه القول بما لا یرضی به قائله کے مرتکب ہوتے ہیں، اسے پڑھ کر بے ساختہ حضرت اقبال کے یہ شعر یاد آتے ہیں:

زمن بر صوفی و ملا سلامے   کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت   خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

احادیث نبویہ کا نام میں نے جان بوجھ کر نہیں لیا، کیوں کہ ان سے یہ حضرات اس طرح جان چھڑا لیتے ہیں کہ یہ حجت نہیں، تاریخی دفاتر ہیں یا یہ حدیث خلاف قرآن ہے۔وغیرہ

مرحوم سرسید کے علاوہ ہمیں مولانا اسلم جیراج پوری، علامہ تمنا عمادی اور جناب غلام احمد پرویز کے افکار ونظریات کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ہے، بالخصوص پرویز کی تصانیف اور درس قرآن سے نسبتاً

زیادہ استفادے کا موقع ملا ہے، مگر افسوس کہ اس بارے میں ہمیں ان کے خیالات مطمئن نہیں کر سکے۔

اس بارے میں پرویز صاحب قرآن مجید کی بالکل نئی تعبیر پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کی داغ بیل سرسید ڈال چکے تھے مگر مدلل طریقے پر اسے پیش کرنے کا سہرا پرویز صاحب کے سر ہے۔ ان کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ شخصیات کی بجائے یہ دیکھو کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ اگر صحیح ہے تو اسے مان لو، چاہے ساری دنیا کے علماء، فقراء اور بزرگ اس کے مخالف کیوں نہ ہوں۔ اگر وہ غلط ہے، تو نہ مانو۔

ایک حد تک بات ٹھیک اور درست ہے، مگر اس میں حسین فریب اور بڑا مغالطہ ہے اور وہ یہ کہ چودہ سو سالہ عرصے کے علماء اور مفسرین سے پرویز صاحب جو حق سلب کرتے ہیں وہ خود اپنے لیے کیوں جائز ٹھہراتے ہیں؟ اس کے جواب میں وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ میں صحیح ہوں اور وہ غلط ہیں۔

پہلے تو یہ فیصلہ بھی انتہائی خطرناک اور نازک ہے کہ اس طویل عرصے میں اسلام کو کسی نے صحیح نہیں سمجھا، اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام اپنے مشن میں قطعی فیل ہے۔ بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ پرویز صاحب کی تعبیر وتشریح درست ہے، تو اس کے لیے معقول دلیل آخر کیا ہے۔ یہی نا کہ بظاہر پرویز صاحب کی بات درست ہے، تو اس طرح تو اسلام میں جتنے فرقے اور نظریات ہیں، وہ سب اپنے آپ کو درست اور صحیح کہتے ہیں۔ اگر کسی فرقے، جماعت یا فرد کو کسی مقام پر محسوس ہو جائے کہ وہ غلط ہے، تو شاید ایک لمحے کے لیے بھی اپنے موقف پر رہنا گوارا نہ کرے۔

پھر آخر یہ حقوق چودہ سو برس بعد پیدا ہونے والے ایک شخص کو کس طرح دیے جا سکتے ہیں کہ وہ اپنی ہر بات کو صحیح، جائز، درست اور معیارِ حق وصداقت قرار دیتا جائے اور چودہ سو سال کے مفسرین اور علماء کو غلط سمجھ لے۔ اس سے تو پھر حضرت اقبال ہی کا نسخہ اچھا ہے:

ز اجتہاد عالمان کم نظر
اقتداء بر رفتگاں محفوظ تر

جو شخص ہزاروں لاکھوں علماء، مفسرین سے یہ حق چھین لیتا ہے کہ لوگ قرآن سمجھنے کے لیے ان کی طرف رجوع کریں، وہ ان سب سے الگ اپنی راہ اختیار کر کے آخر کس استحقاق کی بنیاد پر لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ قرآن سمجھنا ہے تو مجھ سے سمجھو!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور کتاب انفاس العارفین کا ترجمہ شروع شروع میں نکلا تو طلوع اسلام میں اس پر طویل تنقیدی تبصرہ کیا گیا تھا۔ اس پر میں نے پرویز صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا کہ ہندوستان کی سرزمین کو جن چند ایک بڑے مسلمانوں پر فخر حاصل

ہے، ان میں شاہ ولی اللہ دہلوی، مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم علمی اعتبار سے سرفہرست ہیں۔ یہ تینوں حضرات نہ صرف کرامات کے قائل بلکہ عینی شاہد اور کرامات کی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ملاحظہ ہوں، انفاس العارفین، فیوض الحرمین، اخبار الاخیار اور مکتوبات امام ربانی۔ پھر کیا ارشاد ہے جناب والا کا ان کے بارے میں؟

اس پر انہوں نے مجھے لکھا کہ شخصیات سے میری بحث نہیں۔ میرے نزدیک حجت قرآن مجید ہے۔ (جیسے وہ خود اس کی تشریح سمجھتے ہیں)۔

میں نے دوبارہ قرآن مجید کے چند ایسے واقعات کی طرف انہیں توجہ دلائی، جو شروع سے لے کر آج تک تمام مفسرین کے نزدیک کرامات یا خرق عادات سے متعلق ہیں اور وہ بالکل سیدھی سادی عبارات میں بیان ہوئے، جسے معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ آپ نے قرآن کو سمجھا نہیں۔ اس پر میں اپنے طور پر خوش ہوا کہ چلیے اگر میں نہیں سمجھا تو اس میں میں اکیلا مجرم تو نہیں ہوں، چودہ سو سالہ تاریخ کے تمام مسلمان علماء اور مفسرین بھی میرے شریک جرم ہیں۔

اس خط میں ان کی خدمت میں گزارش کی گئی تھی کہ آغاز اسلام سے لے کر موجودہ دور تک پورے عالم اسلام میں سے صرف پانچ ایسے انسان بتایئے جنہوں نے دین کو صحیح طور پر سمجھا ہو اور جن کی دین فہمی اور فراست پر ہم آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیں، ضروری نہیں کہ یہ پانچ افراد علماء میں سے ہوں، ملت اسلامیہ کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ مگر اس سوال کا جواب گول کر دیا گیا۔

سو گزارش ہے کہ اس مرعوبیت، احساس کمتری اور آباء واجداد پر بے اعتمادی کی آخر ضرورت ہی کیا پیش آ گئی ہے۔ سیدھی اور دوٹوک بات کہہ دی جائے کہ سرے سے مذہب کا وجود ہی جدید دنیا میں غیر ضروری اور ناقابل عمل ہے، تاکہ معاملہ صاف ہو، ورنہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قرآن مجید میں ایسے واقعات آئیں تو لغت کی کتابوں، دور از کار تاویلات اور غیر ضروری بحثوں کا سہارا لیا جائے اور اگر یہی واقعات دوسرے ذرائع سے سامنے آ جائیں تو انہیں خرافات کا نام دے کر دریا برد کر دینے کا حکم دے دیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمان قوم علماء اور مشائخ کے بڑے بڑے القابات سے متاثر ہو جاتی ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر امام غزالی، فخر الدین رازی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نے دین کو صحیح معنوں میں نہیں سمجھا تو پھر قیامت تک سمجھنے والا کوئی پیدا ہو ہی نہیں

سکتا۔ پھر یہ ایک ایسا معمہ ہے جو سمجھنے کا نہ سمجھانے کا اور اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، شہاب الدین سہروردی اور خواجہ معین الدین اجمیری ؒ ایسے کروڑوں باخدا انسان اگر اسوۂ رسول ﷺ کی تصویر نہیں تھے، تو شاید یہ دھرتی ان سے بہتر انسانوں کا منہ کبھی نہ دیکھ سکے۔

اس ساری تمہید کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی عقائد، احکام اور نظام عبادات کو سمجھنے کے لیے ہمیں اپنے چودہ سو سالہ تہذیبی ورثے اور تعامل امت کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ موجودہ حالات کے مطابق قرآن مجید کی تشریح کا مطلب یہ نہ ہونا چاہیے:

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں

روحانی مدارج اور مقامات کے انکار کے سلسلے میں وہابی علماء نے بھی خاصی سرگرمی دکھائی ہے، جس کے اثرات علماء دیوبند پر بھی پڑے ہیں اور وہ قولاً نہیں تو عملاً ان کے ہم نوا بن گئے ہیں۔ وہابی تحریک سرے سے تصوف کے خلاف ہے۔

خیال رہے کہ جہاں ہم تصوف کا لفظ بولتے ہیں، اس سے ہماری مراد حقیقی اسلامی تصوف ہے، رسوم و رواج یا بدعات کو تصوف کہنا یا سمجھنا خود بدعت ہے۔ ہمارے نزدیک اگر مشائخ اور صوفیہ کرام کے کارنامے اسلامی تاریخ میں موجود نہ ہوتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا اور کیا عجب ہے کہ سیاسی اقتدار کے خاتمے پر ہر جگہ سے مسلمانوں کو اسپین کی طرح اپنا بوریا بستر لپیٹنا پڑتا۔

اگر اخلاص اور تزکیۂ نفس کے ذریعے لوگوں میں ایمانی حرارت، محبت، خدمت اور خدا ترسی کے جذبات نہ پیدا کیے جاتے تو اسلام کب سے اپنی کشش کھو چکا ہوتا۔

ہمیں ان علماء پر حیرت ہے جو صدیوں سے اپنے ہاں بطور عقیدہ مدارس میں کرامات الاولیاء حق پڑھاتے چلے آرہے ہیں مگر تحریک مرعوبیت نے اس پر ان کا یقین متزلزل کر دیا ہے۔ عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی جو تمام دینی مدارس میں عرصۂ دراز سے پڑھائی جاتی ہے، کرامت کے بارے میں یہ عقیدہ بیان کرتی ہے:

و کرامات الاولیاء حق و الولی ھو العارف باللہ تعالٰی و صفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات، المجتنب عن المعاصی، المعرض عن الانھماک فی اللذات و الشھوات و کرامۃ ظھور امر خارق للعادۃ من

قبله...... و الدليل على حقية الكرامة ما تواتر من كثير من الصحابة و من بعدهم بحيث لا يمكن انكاره خصوصا الامر المشترک و ان كانت التفاصيل آحاد و ايضا الكتاب ناطق بظهورها من مريم و من صاحب سليمان و بعد ثبوت الوقوع لا حاجة الى اثبات الجواز فتظهر الكرامة على طريق نقض العادة للولى من قطع المسافة البعيدة فى المدة القليلة كاتيان صاحب سليمان عليه السلام و هو آصف بن برخيا على الاشهر بعرش بلقيس قبل ارتداد الطرف مع بعد المسافة و ظهور الطعام و الشراب و اللباس عند الحاجة كما فى حق مريم فانه كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقا قال يٰمريم انّٰى لک هذا قالت هو من عند الله و المشى على الماء كما نقل عن كثير من الاولياء و الطيران فى الهواء كما نقل عن جعفر بن ابى طالب و لقمان السرخسى و غيرهما و كلام الجماد و العجماء اما كلام الجماد فكما روى انه كان بين سليمان و ابى الدرداء قصعة فسجت فسمعا تسبيحها و اما كلام العجماء كتكلم الكلب لاصحاب الكهف و كما روى ان النبى ﷺ قال بينما رجل يسوق بقرة قد حمل عليها اذا التفت البقرة اليه و قالت انى لم اخلق لهٰذا و انما خلقت للحرس فقال الناس سبحان الله تتكلم البقرة فقال النبى ﷺ آمنت بهٰذا و اندفاع المتوجه من البلاء و كفاية المهم عن الاعداء و غير ذلک من الاشياء مثل رؤية عمر و هو على المنبر فى المدينة جيشه بنهاوند حتى قال لامير جيشه يا ساريةُ الجبلَ الجبلَ تحذيرا له من وراء الجبل لمكر العدو هناک و سماع سارية كلامه مع بعد المسافة و كشرب خالد السم من غير تضرر به و كجريان النيل بكتاب عمر امثال هذا اكثر من ان يحصٰى-----[۳]

"کرامات اولیاء حق ہیں اور ولی وہ ہے جو ذات وصفات الٰہی کا عارف، امکانی حد تک طاعت الٰہی کا پابند، گناہوں سے مجتنب، شہوات ولذات سے روگرداں ہو اور کرامت اس کی طرف سے کسی خرق عادت واقعے کے ظہور کو کہتے ہیں۔ کرامت کے حق ہونے کی دلیل صحابہ کرام ﷺ اور ان کے بعد کے بزرگوں سے وہ متواتر واقعات

ہیں جن کا انکار ممکن نہیں، خصوصاً ایسے امور جو مشترک پائے جاتے ہیں، اگر چہ ان کی تفصیل خبر واحد کے ذریعے پہنچی ہے اور قرآن مجید بھی کرامات کے ظہور پر ناطق و شاہد ہے، جیسے حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی کا واقعہ۔ کرامات کے وقوع کے ثبوت کے بعد ان کے جواز کی بحث بے فائدہ ہے۔ کرامت ولی سے خرق عادت کے طور پر ظاہر ہوتی ہے، جیسے معمولی وقت میں لمبی مسافت طے کر لینا اور اس کی مثال آصف بن برخیا کا دور دراز مسافت سے پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لانا ہے اور جیسے ضرورت کے وقت طعام، پانی اور لباس منگوا لینا، جیسے بی بی مریم کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں ان کے پاس گئے تو انہوں نے ان کے پاس کھانے کی چیزیں دیکھیں تو پوچھا یہ تمہارے پاس کہاں سے آئیں؟ انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جیسے پانی پر چلنا، چنانچہ بے شمار اولیاء سے منقول ہے اور ہوا میں اڑنا، جیسے جعفر بن ابی طالب اور لقمان سرخسی کے بارے میں بتایا گیا ہے، جیسے بے زبان چیزوں اور بے زبان جانوروں کا بولنا، بے جان چیزوں کے بولنے کے متعلق سلمان فارسی اور ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے سامنے پیالے سے تسبیح پڑھنے کی آواز آئی اور انہوں نے سنی اور بے زبان جانوروں کے بارے میں وہ روایت ہے کہ ایک شخص بیل پر بار لادے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرا، بیل نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کر کے کہا، میں اس لیے پیدا نہیں ہوا، میں تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا ہوا ہوں، لوگوں نے کہا، سبحان اللہ! بیل بول رہا ہے، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا اس پر ایمان ہے اور جیسے مصیبتیں ہٹا دینا یا دشمن سے بچا لینا وغیرہ۔ اس کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ کے منبر پر نہاوند میں اپنے لشکر کو دیکھنا اور امیر لشکر کو اے ساریہ! پہاڑ پہاڑ پکار کر پہاڑ کے پیچھے سے چھپ کر دشمن کے حملے سے خبردار کرنا ہے اور اسی طرح ساریہ رضی اللہ عنہ کا اتنی دور سے یہ آواز سن لینا یا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا بغیر کسی نقصان کے زہر پی لینا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے دریائے نیل کا جاری ہونا۔ ایسے اتنے واقعات ہیں، جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا''-----

اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ ''الفقہ الاکبر'' اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں کرامات اور معجزات کے وقوع اور جواز پر طویل بحث کی ہے۔ امام غزالی جن کے علم و فضل

کو یورپ والے ہم سے زیادہ مانتے ہیں، لکھتے ہیں:

''کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، عصا کا سانپ بن جانا، جانوروں کا کلام کرنا اور اس قسم کے جو واقعات منقول ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

حسی خیالی اور عقلی

(حسی طور پر ان چیزوں کے واقع ہونے کے امکان کے دلائل میں فرماتے ہیں) جو خدا نطفہ سے آدمی اور مادہ سے جاندار پیدا کر سکتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ سنگ ریزے میں جان ڈال دے اور حیوان کو قوت گویائی دے دے۔ تمام اجسام متماثل ہیں، اس لیے ایک جسم میں جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہر ایک جسم میں پائی جا سکتی ہیں، گو بالفعل نہ پائی جائیں۔ آفتاب ایک مدت میں ایک چیز کو گرم کر سکتا ہے، آگ فوراً کر سکتی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ جو امور بتدریج وقوع میں آتے ہیں، پیغمبر کی تاثیر سے فوراً وقوع میں آ جائیں۔ (اس پر طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں) تینوں اقسام حسی، خیالی اور عقلی پر ایمان لانا واجب ہے'' -----[۴]

اگر کسی زمانے میں علماء، فضلاء اور اسلامی مفکرین ان باتوں کے قائل اور قرآن وسنت میں ان کے واضح ثبوت موجود ہونے کے حق میں تھے اور آج ہماری بصیرت، علمی ترقی یا مشاہداتی بصارت ان کا انکار کرتی ہے تو ہمیں مکھی پر مکھی مارنے کی بجائے اس عقیدے کو اپنی عقائد کی کتابوں سے خارج کر دینا چاہیے۔

اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ کرامت یا معجزے کا نام آتے ہی بات کو نامعقولیت کی سند عطا کر دیتے ہیں، ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آ سکی ہے کہ ایک ان دیکھی ہستی (خدا) کو تمام اختیارات کا مالک اور ہر چیز کا خالق تسلیم کر لینے کے بعد آخر اس کی قدرت اور اختیار کے کسی شخص سے معمولی اظہار کے انکار کا جواز ہی کیا باقی رہ جاتا ہے۔ میرے ناقص خیال میں کرامت اور معجزہ وغیرہ کی نسبت ذات خداوندی کا عقلی طور پر ثبوت کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اس کے تسلیم کر لینے کے بعد ہمارے پاس وہ بنیاد فراہم ہو جاتی ہے جس پر ہم ساری عمارت تعمیر کر سکتے ہیں۔

کرامت اور معجزہ وغیرہ نسبتاً چھوٹی چیزوں کے مقابلے میں بدرجہا مشکل اور عقل انسانی سے ماورئی ہستی کا تو ہم اقرار کرتے ہیں مگر یہاں آ کر ہمیں لادین قوموں اور ملحد مستشرقین سے آنکھ ملانے کا مسئلہ یاد آ جاتا ہے اور ہم اپنے طور پر سوچنے لگتے ہیں کہ کیا کہیں گے یہ مہذب (ہمارے

خیال میں) لوگ کہ ہم ایسی غیر عقلی، ان دیکھی اور محیر العقول باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

آخر اس وقت ہمیں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ یہ ساری باتیں اس ذات خداوندی کے لیے انتہائی معمولی اور حقیر ہیں، جس کے قبضۂ قدرت، اختیار اور صفت خالقیت کی لامتناہیوں کو ہم پہلے سے تسلیم کرتے ہیں، ہمارا عقیدہ تو بقول مولانا روم یہ ہے:

نے کہ ہر دم نغمہ آرائی کند
فی الحقیقت از دم نائی کند

ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ جاہل واعظین اور قصہ گو حضرات نے بزرگان دین اور مشائخ کی طرف بعض ایسی حکایات منسوب کر رکھی ہیں جن سے کتاب وسنت کی بنیادیں منہدم ہوتی ہیں اور جو ہمارے بنیادی عقائد کے خلاف ہیں مگر خیال رہے کہ یہ سب کچھ زیب داستاں کے لیے کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے ہم حقائق کا انکار نہیں کر سکتے۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس محدثین کا وہ آب زر سے لکھنے والا فارمولا موجود ہے، جسے نام نہاد محققین ایجاد بندہ سمجھ کر احادیث پر طبع آزمائی شروع کر دیتے ہیں اور وہ یہ کہ ''ہر وہ حدیث جو قرآن کے خلاف ہو، نامقبول ہے'' ہم ان الفاظ میں ذرا وسعت کر لیتے ہیں کہ ہر وہ نظریۂ فکر اور واقعہ جو خلاف قرآن ہے، غلط، مردود اور فرضی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ایک حدیث امام بخاری، امام مسلم، تمام شارحین حدیث اور علمائے امت کو قرآن کے خلاف نظر نہیں آتی مگر ٹھیک وہی حدیث سرسید، مولانا جیراج پوری اور جناب غلام احمد پرویز کی نگاہ میں سراسر قرآن کے خلاف ہے تو اس کا فیصلہ کون کرے۔

سو اس کا فیصلہ بھی آسان ہے، جس شخص کو بخاری و مسلم اور ان جیسے لاکھوں فضلاء، علماء کے تفقہ، مہارت، دیانت اور تقویٰ پر اعتماد ہے، وہ ان کی بات مانے اور جو شخص سرسید احمد خان اور جناب پرویز کی علمی پرواز، قرآن فہمی، تقویٰ، دیانت اور مہارت کو بخاری و مسلم سے زیادہ فائق سمجھتا ہے وہ ان کی بات کو ترجیح دے اور عملاً یہی کچھ ہو رہا ہے:

پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا

یہ شخصیت پرستی نہیں بلکہ فطری طوائف الملوکی، ذہنی انتشار اور آزادیٔ افکار کی ابلیسانہ ایجاد کا علاج ہے، ہر وہ شخص جو انگریزی اور اردو کے ذریعے قرآن کو سمجھتا ہے یا جس نے عربی زبان وادب اور قرآن وحدیث میں گہری دلچسپی پیدا نہیں کی، اپنے طور پر فیصلہ کرنے بیٹھ جائے تو غالباً کوئی ایسا

مسئلہ نہیں نکلے گا جسے بعض افکار ونظریات غلط نہ ٹھہراتے ہوں، پھر سارے معاملے کا اللہ حافظ ہے۔

اس مرعوبیت کے نتیجے میں ہم نے دین اور اس کے عقائد ونظریات کے بارے میں جو مدافعانہ اور معذرت آمیز رویہ اختیار کر رکھا ہے اور جس طرح ہم عملی طور پر دین سے فرار اور گریز کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، اس کے متعلق حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت خوب صورت تجزیہ کیا ہے۔ آپ کا بیان ہے:

''ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں جن کا خیال ہے کہ ان کا دل و دماغ عام آدمیوں سے بلند ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سقراط، بقراط، افلاطون اور ارسطو کے پُر ہیبت قصے سنے اور ان کے معتقدین کی ان کی تعریفوں میں مبالغہ آرائیاں اور قصیدہ خوانیاں سنیں، انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حکماء نے ریاضیات، منطقیات، طبعیات اور الٰہیات میں کافی جدت طرازیاں کی ہیں اور اپنے دور میں عقلی و فکری طور پر کوئی شخص ان کا ہم سر نہ تھا۔ اس فکری و ذہنی بلندی کے ساتھ وہ مذاہب اور ان کی تفصیلات کے منکر تھے، ان کے خیال میں مذاہب کے اصول اور بنیادیں فرضی اور مصنوعی ہیں۔ بس اسی پر ان کی تقلید میں ان حضرات نے بھی مذہب کے انکار کو اپنا شعار بنالیا اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہلانے کے شوق میں مذہب کا انکار کرنے لگے تا کہ عام لوگ انہیں اپنی سطح سے بلند سمجھیں اور وہ مفکرین اور دانش وروں میں اپنا شمار کرا سکیں۔ اس بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ ان حکماء نے الٰہیات پر جو کچھ لکھا ہے، اس کی غلطیاں دکھاؤں اور ثابت کروں کہ ان کے مسائل اور اصول بازیچۂ اطفال اور ان کے بہت سے اقوال اور نظریات حد درجہ مضحکہ خیز بلکہ عبرت انگیز ہیں'' -----[۵]

نو پیش آمدہ مسائل کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد اور تجسس و تفکر کوئی بُری بات نہیں، جمود، تعطل اور انسانی زندگی کے معمولات میں بریک لگا دینا خود روح اسلام کے منافی ہے۔ مگر جاہلیت جدیدہ، اجتہاد کے نام پر دین کی جو گت بنا رہی ہے، اس سے خدا کی پناہ، بے خوف، پُر امن اور سلامتی کا راستہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ کتاب وسنت کو سلف صالحین کی تعبیر اور عمل کی روشنی میں سمجھا جائے۔

حوالہ جات

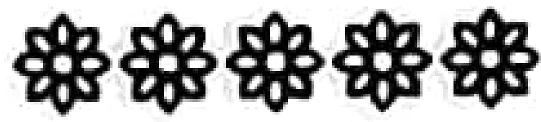
۱...... یادوں کی برات، شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی، صفحہ ۱۴۸

۲......تذکرہ، مولانا ابوالکلام آزاد، صفحہ ۲۲۹-۲۳۰

۳......شرح عقائد نسفی، علامہ سعدالدین تفتازانی، صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۲

۴......الغزالی، مولانا شبلی نعمانی، صفحہ ۳۹-۲۴۰

۵......تہافتہ الفلاسفہ، صفحہ ۲۳۲، مطبوعہ مصر



تعزیت

خطیب شہیر مولانا محمد بشیر صاحب رضوی (سابق خطیب مدینہ مسجد، ساہیوال) بھی راہئ ملک بقا ہو گئے-----انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

موصوف بڑے پایہ کے خطیب اور مبلغ تھے، وہ پرسوز انداز میں خطاب کرتے تو اہل محبت تڑپ اٹھتے، ایک ایک شعر کو تکرار سے پڑھتے اور سماں باندھ دیتے-----انہوں نے تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور کردار ادا کیا اور قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا-----اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے صاحبزادے مولانا سراج الحق اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے-----آمین

گزشتہ دنوں وابستگان دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:

علامہ احمد علی قصوری، مسلم ٹاؤن لاہور کی خالہ صاحبہ-----

مولانا عطاء محمد گولڑوی، لاہور کی ہمشیرہ صاحبہ-----

مولانا غلام مصطفیٰ نوری (مرحوم)، منچریاں، دیپالپور کے والد حاجی نیاز احمد صاحب-----

مولانا محمد یوسف نوری، بھڈال ٹاٹڑ، حویلی لکھا کی ماموں زاد بہن، بھائی اور بھانجہ-----

مولانا سردار علی نوری، کراچی کی اہلیہ محترمہ-----

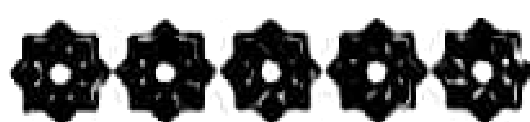
مولانا محمد اسلم نوری، جڑانوالا کے والد گرامی-----اور

مولانا سید ضیغم رسول شاہ کے والد محترم قضائے الٰہی سے وفات پا گئے-----

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے-----

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ اجمعین



"گیارہویں شریف"

شریعت کے آئینے میں

صاحبزادہ سید نصیر الدین نصیر

حضرت سیدنا غوثِ پاک ؒ کے امتیازی کمالات میں آپ سے منسوب ایصالِ ثواب کی تقریب گیارہویں شریف کو ایک خاص شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ سیکڑوں سالوں سے امتِ مسلمہ کے جلیل القدر علماء و مشائخ اور سلاسلِ طریقت سے وابستہ لاکھوں اہلِ ایمان اِسے اپنا معمول سمجھتے ہیں اور حصولِ خیر و برکت کے لیے اس کے انعقاد کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔ اولیائے عظام میں حضرت سیدنا غوث پاک ؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ کا عرس ہر مہینے پورے اہتمام کے ساتھ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں منایا جاتا ہے، جب کہ دوسرے بزرگانِ دین کا عرس سال میں ایک مرتبہ ہوا کرتا ہے۔ علماء و مشائخ اور عامۃ المسلمین کے عمل کے پیشِ نظر گیارہویں شریف کے مستحسن ہونے پر وہ حدیثِ پاک شاہد ہے، جس میں ارشاد ہوا:

مَا رَآہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ ---[۱]

"جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہوتی ہے"---

گیارہویں شریف منانے والے علماء و مشائخ میں سے کوئی بھی اِس کی فرضیت اور وجوب کا

قائل نہیں اور نہ ہی اِس کا اہتمام نہ کرنے والوں کے خلاف کوئی فتویٰ صادر کیا گیا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اِس تقریبِ سعید کا انعقاد کرنے والوں پر شرک و بدعت کا الزام لگانے والوں سے ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے وہ دین کی کیا خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور اسلام کا کون سا قلعہ تعمیر کر رہے ہیں؟ ہم نہایت حوصلے اور سنجیدگی سے ایسے حضرات کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان پر شرک و بدعت کی تیغِ بے نیام چلانے کے بجائے غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں لانے کی جدوجہد کریں اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ شاید ہماری گزارشات پر منصفانہ غور کرنے سے ان کی غلط فہمی دور ہو جائے۔

ایصالِ ثواب کی حقیقت

جیسا کہ اربابِ علم و دانش جانتے ہیں، گیارہویں شریف ایصالِ ثواب کی ایک تقریب ہے اور یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ ایصالِ ثواب جائز ہے۔ عباداتِ مالیہ کا ایصالِ ثواب تو بالاتفاق جائز ہے، البتہ عباداتِ بدنیہ کا ایصالِ ثواب اکثر علماءِ اُمت کے نزدیک جائز ہے۔ چناں چہ حضرت شیخ محمد عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایصالِ ثواب کی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

و بخشیدنِ ثوابِ عملِ بدنی کسے را جائز است و اکثر علماء بر ایں اند و در عبادتِ مالیہ باتفاق جائز است---[۲]

"کسی کو بدنی عمل کا ثواب بخشا جائز ہے اور اکثر علماء اسی پر ہیں اور مالی عبادت میں کسی کو ثواب بخشا بالاتفاق جائز ہے"---

عبادتِ مالی اور عبادتِ بدنی کے ایصالِ ثواب کے ثبوت پر ہم دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ پہلے عبادتِ مالی کے ایصالِ ثواب والی حدیث ملاحظہ ہو:

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اَلْمَاءُ، قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَ قَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ---[۳]

"حضرت سعد بن عبادہ ﷛ نے عرض کیا، یارسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئی ہے، پس اس کے لیے کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، پانی۔ پس اُنھوں نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ اُمِّ سعد کے لیے ہے"---

اس حدیثِ پاک سے عبادتِ مالی کا ایصالِ ثواب واضح طور پر ثابت ہوا اور یہ کہ کارِ ثواب کی نسبت کسی بندے کی طرف کر دینا جائز ہے اور اِس سے کوئی شرک و بدعت لازم نہیں آتی۔ اب

عبادتِ بدنی کے ایصالِ ثواب کے بارے میں حدیثِ پاک ملاحظہ ہو:

عَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْھَمٍ یَقُوْلُ اِنْطَلَقْنَا حَاجِّیْنَ فَاِذَا رَجُلٌ (اَیْ وَاقِفٌ وَ ھُوَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ ﷺ [لمعات]) فَقَالَ لَنَا اِلٰی جَنْبِکُمْ قَرْیَۃٌ یُقَالُ لَھَا الْاُبُلَّۃُ، قُلْنَا نَعَمْ، قَالَ مَنْ یَضْمَنُ لِیْ مِنْکُمْ اَنْ یُصَلِّیَ فِیْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَکْعَتَیْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَ یَقُوْلُ ھٰذِہٖ لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ---[۴]

''حضرت صالح بن درہم ﷺ کہتے ہیں کہ ہم حج کے ارادے سے نکلے تو ایک مرد (حضرت سیدنا ابو ہریرہ ﷺ) نے ہم سے کہا، تمہارے شہر کی جانب اُبلّہ نامی ایک بستی ہے؟ ہم نے کہا، ہاں۔ کہنے لگے، تم میں سے کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ میرے لیے مسجد عشار میں دو یا چار رکعت نفل پڑھے اور کہے کہ یہ ابو ہریرہ کے لیے ہیں؟''---

اِس حدیث سے بدنی عبادت کا ایصالِ ثواب واضح طور پر ثابت ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایک زندہ فرد دوسرے زندہ انسان کے لیے بھی نوافل بہ طورِ ہدیہ و ثواب پڑھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی مقام کا کسی خاص فرد سے منسوب کرنا بھی حدیثِ پاک کی رُو سے ثابت ہے۔ چناں چہ کنوئیں کا حضرت اُمِّ سعد سے منسوب کرنا مستلزمِ شرک و بدعت نہیں، اسی طرح بعض ہدایا کا حضرت سیدنا غوثِ پاک، خواجہ غریب نواز اور دیگر اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا بھی حدیثِ پاک کی رُو سے جائز ہے۔

گیارھویں شریف پر ایک بڑا اعتراض اور اس کا جواب

معترضین کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اِس کے لیے یہ تاریخ کیوں مقرر کی جاتی ہے، تاریخ کی پابندی کی وجہ سے اس میں شرک و بدعت کا پہلو نمایاں ہے۔ ہم اس سلسلے میں نہایت سلجھے ہوئے انداز میں گزارش کرتے ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ ہماری گزارش پر غور کرنے کے بعد معترضین کے لیے گنجائشِ اعتراض باقی نہیں رہے گی:

اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شرعی ممانعت کے بغیر کسی کام کے لیے تاریخ کا تعین جائز ہے اور ایسے تعین و تاریخ کو کام کی حرمت میں کوئی دخل نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ مسلمان روزمرہ کے معاملات میں بہت سے اُمور میں تاریخ اور وقت کا تعین کرتے ہیں، مثلاً شادی، بیاہ، آمد و رفت، جلسہ و جلوس، الوداعی تقریب، استقبالیہ، ظہرانہ، عصرانہ، عشائیہ، میٹنگ، جلسۂ دستارِ فضیلت، جلسۂ تقسیم اسناد، تقریبِ تقسیم اعزازات، عدالت میں پیشی کی تاریخ، فیصلہ سنانے کی تاریخ،

مذہبی و تبلیغی اجتماعات کی تاریخ، تعلیمی اور فنی اداروں کے کھلنے اور بند ہونے کی تاریخ، یومِ پاکستان، یومِ قائد اعظم اور یومِ اقبال وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے خیال میں کوئی عقل مند اس بات کا قائل نہ ہوگا، کہ صرف تاریخ کے تعین سے مذکورہ بالا تمام کام حرام اور بدعت ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مطلقاً تاریخ مقرر کرنا حرمت و بدعت کا باعث نہیں، یہ اور بات ہے کہ کسی کام کے لیے شریعت کی مقرر کردہ تاریخ کو بدل کر دوسری تاریخ مقرر کر دینا ناجائز ہے۔ جس طرح ۹/ ذوالحجہ کے بجائے حج کی تاریخ دس (۱۰) ذوالحجہ قرار دینا، اسی طرح مباح اور مستحسن کاموں کے لیے تاریخ کا مقرر کرنا، اس اعتقاد سے کہ اس تاریخ کے بغیر یہ کام ناجائز ہوں اور اس تاریخ پر سرانجام نہ دینے سے انسان گناہ گار ہو، یہ بھی ایک شرعی وجہ سے ناجائز ہے، کیوں کہ کسی تاریخ کے ساتھ جواز اور حرمت کا اختصاص ثبوتِ شرعی پر موقوف ہے۔ اگر تاریخ سے تعین میں یہ اعتقاد نہیں، تو پھر عدمِ جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ الحمد للہ گیارہویں شریف کی تقریبِ روحانی کے بارے میں ایسی کوئی پابندی علماء و مشائخ نے نہیں لگائی، یہی وجہ ہے کہ مختلف تاریخوں اور دنوں میں یہ تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ چناں چہ ربیع الثانی کا سارا مہینا یہ تقریب منائی جاتی ہے اور سال کے دوسرے مہینوں میں بھی مختلف تاریخوں پر اس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اگر گیارہویں شریف کے قائل اس بات کا اعتقاد رکھتے کہ چاند کی گیارہ تاریخ کے علاوہ یہ تقریب منعقد کرنا جائز نہیں، تو پھر اس طرح ہرگز نہ ہوتا، روزانہ اخبارات اور رسائل میں عام طور پر ہم چاند کی مختلف تاریخوں پر اس تقریبِ سعید کے منعقد ہونے کی خبریں پڑھا کرتے ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس تقریب کو مختلف تاریخوں اور دنوں میں منایا جاتا ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ چاند کی کسی تاریخ کو بھی یہ تقریب منعقد ہو، اسے بہر صورت گیارہویں شریف کہا جاتا ہے۔

آیئے! اس بات پر مل جل کر غور کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس تاریخ کو اتنی شہرت حاصل ہوگئی یا اس تاریخ پر یہ تقریب زیادہ اہتمام سے کیوں منائی جاتی ہے، کیا مصلحت اور کیا وجہِ ترجیح ہے، جس کی بنا پر یہ تاریخ اتنی اہمیت کی حامل ہے؟ اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ گیارہ ربیع الثانی حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یومِ وصال ہے اور مقبولانِ خدا کا یومِ وصال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید میں حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ سَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۝﴾---[۵]

"ان پر یومِ ولادت اور یومِ وصال اور یومِ حشر، اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو"---

حدیث شریف میں آتا ہے:

اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ---[٦]

''سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی موت پر عرشِ الٰہی لرزنے لگا''---

بندۂ مؤمن کے یومِ وصال کی عظمت پر شاہد ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں، ارشاد ہوا:

اِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ اِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَ اِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ نَزَلَ اِلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مِنَ السَّمَاءِ بِيضُ الْوُجُوْهِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ كَفَنٌ مِّنْ اَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَ حُنُوْطُ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْئُ مَلَكُ الْمَوْتِ عليه السلام حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَيَقُوْلُ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِيْ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ. قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنَ السِّقَاءِ فَيَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَاْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَ فِيْ ذٰلِكَ الْحُنُوْطِ وَ يَخْرُجُ مِنْهَا كَاَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُّجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ قَالَ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلٰى مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ؟ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهٗ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهٗ فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهٗ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُّقَرَّبُوْهَا اِلَى السَّمَاءِ الَّتِيْ تَلِيْهَا حَتّٰى يَنْتَهِيَ بِهٖ اِلَى السَّابِعَةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عزوجل اُكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اِذَا خَرَجَ رُوْحُهٗ صَلّٰى عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَ كُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَ هُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ يَعْرُجَ بِرُوْحِهٖ مِنْ قِبَلِهِمْ رَوَاهُ اَحْمَدُ---[٧]

''بندۂ مؤمن جس وقت دنیا کو چھوڑ رہا ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو سفید چہروں والے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں، ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں اور ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوش بو ہوتی ہے، وہ اس مردِ مؤمن کی حدِ نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السلام آ کر اس کے سر کے قریب بیٹھتے اور کہتے ہیں، اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضوان کی طرف

نکل آ، (حضور ﷺ فرماتے ہیں) پس روح اس طرح نکلتی ہے، جیسے مشک سے پانی کے قطرے بہتے ہیں، پس اسے ملک الموت لے لیتا ہے، جب وہ لے لیتا ہے، تو فرشتے اس کے ہاتھ میں آنکھ جھپکنے تک روح کو نہیں رہنے دیتے، یہاں تک کہ اس سے روح کو لے لیتے ہیں، پھر اسے جنت کا کفن پہناتے اور جنت کی خوش بو لگاتے ہیں، پس روئے زمین کی بہترین کستوری کی خوش بو اس سے نکلتی ہے، پس اسے آسمان کی طرف اٹھا لے جاتے ہیں، پس وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ پس فرشتے مردِ مؤمن کا وہ پاکیزہ نام بتاتے ہیں، جس سے دنیا میں لوگ اسے پکارتے تھے، یہاں تک کہ آسمانِ اوّل پر اسے لے جاتے ہیں، اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھولنے کی طلب کرتے ہیں اور دروازہ کھل جاتا ہے، پھر ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس روح کے ساتھ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک چلتے ہیں، یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے (اس) خاص بندے کا نامۂ اعمال علیین میں لکھ دو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بندۂ مؤمن کی روح نکلتی ہے، تو آسمان و زمین کے درمیان کے فرشتے اور آسمان کے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور آسمان کے ہر دروازے والے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ اس بندۂ مؤمن کی روح کو ہماری طرف گزارے"---

غوثِ پاک کا یومِ وصال

حضرتِ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے یومِ وصال کے بارے میں مشہور، معتبر اور معمول قول یہ ہے کہ آں جناب نے ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں وصال فرمایا۔ چناں چہ شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَ قَدِ اشْتُهِرَ فِیْ دِیَارِنَا هٰذَا الْیَوْمُ الْحَادِیْ عَشَرَ وَ هُوَ الْمُتَعَارَفُ عِنْدَ مَشَائِخِنَا مِنْ اَهْلِ الْهِنْدِ مِنْ اَوْلَادِهٖ..........---

"ہمارے ملک میں حضرت کا یومِ وصال گیارہ (۱۱) ربیع الثانی مشہور ہے اور ہندوستان کے وہ مشائخ کرام، جو آں جناب کی اولاد سے ہیں، ان کے نزدیک بھی یہی تاریخ متعارف ہے۔ ہمارے شیخ طریقت حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ (متوفی ۱۰۰۱ھ) نے "اورادِ قادریہ" سے اِسی طرح نقل فرمایا ہے، یہ کتاب حضرت مخدوم عبدالقادر ثانی اُچوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۴۰ھ) کی تصنیف ہے، جو بالاتفاق ولی اللہ ہیں"---[۸]

عراق کے مشہور اور مستند عالمِ دین علامہ عبدالقادر بن محی الدین الاِربلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۱۵ھ) بھی حضرتِ اقدس ﷺ کا یومِ وصال ۱۱ ربیع الثانی تحریر فرماتے ہیں:

وَ تُوُفِّیَ لَیْلَۃَ الْاِثْنَیْنِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ اِحْدٰی عَشَرَۃَ مِنْ رَبِیْعِ الثَّانِیْ سَنَۃَ خَمْسِ مِائَۃٍ وَّ اِحْدٰی وَ سِتِّیْنَ---[۹]

"سوموار کی رات، ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں آں جناب نے وصال فرمایا"---

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والدِ ماجد پیرِ طریقت شیخ امان پانی پتی (متوفی ۹۵۷ھ) بھی ۱۱ ربیع الثانی کو حضرتِ غوثِ پاک ﷺ کا عرس منایا کرتے تھے۔ چناں چہ "اخبارالاخیار" میں ہے:

یازدہم ماہِ ربیعِ الآخر عرسِ غوثُ الثقلین ﷺ کرد---[۱۰]

بعض روایات میں آپ کا یومِ وصال نو (۹) ربیع الثانی قرار دیا گیا ہے، چناں چہ علامہ عبدالقادر اربلی ﷺ نے "بہجۃ الاسرار" کے حوالے سے یہ قول بھی نقل کیا ہے[۱۱] اور شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ حضرت عبدالوہاب متقی القادری المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق بھی لکھا کہ وہ نو (۹) ربیع الثانی کو حضرت اقدس ﷺ کا عرس شریف مناتے تھے[۱۲]، مگر مشہور اور معمول روایت گیارھویں شریف کی ہے۔ بعض لوگ آپ کا یومِ وصال سترہ (۱۷) ربیع الثانی بھی نقل کرتے ہیں، مگر اس کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وَ قَدْ یُقَالُ اِنَّ وَفَاتَہٗ فِی الْیَوْمِ السَّابِعِ عَشَرَ وَ لَا اَصْلَ لَہٗ---[۱۳]

"یہ جو روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ کا وصال ۱۷ ربیع الثانی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں"---

بغداد شریف میں درگاہِ غوثیہ پر گیارھویں شریف کی تقریب کا سیکڑوں سالوں سے انعقاد بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت سیدنا غوثِ اعظم ﷺ کا یومِ وصال ۱۱ ربیع الثانی ہے۔ چناں چہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۸۲۳ء) فرماتے ہیں:

"چاند کی گیارھویں تاریخ کو حضرت کی درگاہ پر بادشاہ اور دیگر اکابر علماء و مشائخ

حاضری دیتے ہیں، بعداز عصر ختم شریف ہوتا ہے اور پھر حضرت کی شان میں مدحیہ قصائد پڑھے جاتے ہیں اور آپ کے حالات بیان کیے جاتے ہیں، یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہتا ہے، بعداز مغرب سجادہ نشین مع حاضرین ذکرِ جلی کرتے ہیں، پھر کھانے اور شیرینی پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور حاضرین میں نیاز تقسیم کی جاتی ہے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر لوگ رخصت ہوتے ہیں"---[۱۴]

گیارہویں شریف کی شہرت اور مقبولیت کی وجہ تو ہماری گزارشات سے واضح ہوگئی، اب ہم اس بات کو مزید ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کا مقرر کرنا بھی شرعاً جائز بلکہ بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر مستحسن ہے۔

گیارھویں شریف اور بسلسلۂ تعیّن تاریخ حضرت امداد اللہ مھاجر مکی کی تصریح

اس سلسلے میں ہم علمائے دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۸۹۹ء) کی تحریر پیش کرتے ہیں، امید ہے کہ معترض حضرات، حاجی صاحب قبلہ کے مسلکِ اعتدال سے ضرور متاثر ہوں گے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"نفسِ ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی تخصیص و تعین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں، بلکہ کوئی مصلحت باعثِ تقیید ہیئتِ کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں، جیسا کہ بہ مصلحت نماز میں صورتِ خاص معین کرنے کو فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے"---[۱۵]

پھر تاریخ کی تعیین کو مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رہا تعینِ تاریخ، یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو، تو اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے، قطع نظر مصالح مذکور کے ان میں بعض اسرار بھی ہیں، پس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ہیئتِ مروجۂ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں شریف حضرت غوثِ پاک ﷺ کی اور دسواں، بیسواں، چہلم، ششماہی، برسی وغیرہ اور توشۂ حضرت شیخ احمد ردولوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سہ منی حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و حلوائے شبِ براءت اور دیگر طرق ایصالِ ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں"---[۱۶]

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے محولہ بالا کلام سے یہ نتائج نکلتے ہیں:

۱......ایصالِ ثواب کا جواز متفق علیہ ہے۔
۲......مصلحت کے پیشِ نظر تاریخ مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ بات فقہائے کرام کے فتاویٰ سے دلالۃً ثابت ہے۔
۳......مقررہ تاریخ پر کوئی کام کرنا، اس کام کے یاد آجانے اور ہو جانے کا باعث بنتا ہے۔
۴......تاریخ کے تعین میں بعض اسرار و رموز ہوتے ہیں۔
۵......مروجہ ایصالِ ثواب کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ تشبہ کے سبب حرام قرار پائے، بلکہ یہ اہلِ اسلام کا طریقہ ہے۔
۶......گیارہویں شریف اور اس کے علاوہ ایصالِ ثواب کی تمام تقریبات بہ تعینِ تاریخ جائز ہیں۔

مجددِ ملت حضرت سیدنا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایصالِ ثواب کی تقریبات کی بعض تخصیصات اور بعض متعینہ امور کے بارے میں ''فوائد برہانیہ'' سے نقل کرتے ہیں:

''فاتحہ دلوانا اور طعام کھلانا بلاشبہ امرِ مستحسن ہے اور تخصیص جو شخص کا فعل ہے (یعنی تخصیص کرنے والے کا) اور یہ اس کے اختیار میں ہے، ایک مستحسن (اچھے) کام کے ممنوع ہونے کا باعث نہیں بن سکتی، یہ تخصیصات رواج اور عادات کی اقسام سے ہیں، جن کی ابتدا کسی خاص مصلحت اور مخفی منشا کے پیشِ نظر ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ رواج پا گئیں۔ رسالت مآب ﷺ کا حضرتِ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے خاص طور پر جانور ذبح کرنا اور ان کی سہیلیوں میں اس کا گوشت تقسیم کرنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے''---[۱۷]

حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''مولانا عبد اللہ گجراتی جو اپنے وقت کے بہت عالم، صالح اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے ہم عصر تھے، اپنے وصیت نامے میں لکھتے ہیں: بزرگانِ طریقت کی نیاز دلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے، اس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور جو خاص سورتیں اور آیات پڑھی جاتی ہیں، یہ (سب) نیک رسوم اور عاداتِ حسنہ کے قبیل سے ہیں، اس لیے کہ یہ چیزیں ان بزرگانِ دین کا معمول رہی ہیں اور ان حضرات نے ان باتوں کا حکم دیا ہے، جن کے ظاہری و باطنی کمالات پر تمام اہلِ اسلام متفق ہیں، بلکہ اس قسم کی بعض تراکیب جو مشہور ہیں، اکابر مشائخ کے رسائل اور اوراد میں ان کا تذکرہ ہے، جیسے توشۂ اصحابِ کہف۔ اگرچہ ان چیزوں کی

علت معلوم نہیں، مگران پر عمل کرنا مناسب ہے، کیوں کہ یہ چیزیں مجرب ہیں اوران تخصیصات میں برکات اورتاثیر دیگر مجربات کی طرح یقینی ہے"---[۱۸]

حضرتِ اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ العزیز گیارہویں شریف کی برکات وفیوضات کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"ایک بزرگ جن کا نام بابانورماہی تھا، سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے اور ہر مہینے گیارہویں شریف کا خاص اہتمام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں حضور سیدنا غوثِ پاک ﷺ کے ساتھ خاص نسبت عطا فرمائی تھی، گیارہویں شریف کے بکرے یا دنبے کو بڑی محبت سے پالتے اوراس کے ساتھ عشق کی حد تک پیار رکھتے۔ طالب علمی کے زمانے میں چوں کہ انگہ ضلع شاہ پور میں قیام پذیر تھااوروہ بزرگ شکرکوٹ میں رہا کرتے تھے، اس لیے اس تقریب میں خاص اصرار سے مجھے یاد کرتے۔ ایک مرتبہ میں شکرکوٹ سے انگہ جا رہا تھا، دیکھا توراستے میں گیارہویں شریف کا دنبہ ساتھ لیے ہوئے، اس سے کمالِ محبت کا اظہار کررہے تھے، کبھی اسے کندھوں پر اٹھالیتے، کبھی نیچے ٹھہرادیتے اور جذبۂ شوق میں فرماتے:۔

"اومیرے محبوب دیالیلیا! (اے میرے محبوب کے دنبے!)"---

ان کا یہ جملہ سن کر طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ دل میں سوچا آئندہ خلوت اختیار کر لوں اوردرس وتدریس نہ کروں۔ فوراً مجھے دیکھ کرفرمانے لگے:

"پیر صاحب! جو شخص علم پڑھ کر تعلیم نہیں دیتا، وہ اس درخت کی مانند ہے، جو پھل نہ دے"---

گویا بابا صاحب کو کشفِ قلوب کا مقام بھی حاصل تھا۔ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ درویش پاسِ انفاس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اورمیری استدعا کے بغیر اس شغل کی مجھے اجازت فرمائی"---[۱۹]

فوت شدگان کو ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب اور تعینِ ایام کے ہم قائل ہیں اور ہم نے اس موضوع کو دلائل و براہین سے واضح اور ثابت کردیا ہے لیکن ایک امر نہایت اہم ہے، وہ یہ کہ ختمِ کلامِ پاک، تلاوتِ آیاتِ ربانیہ، غرباء ومساکین اور حاضرین کی خاطر مدارات میں خلوصِ عمل اور رضائے الٰہی کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے

اور ہر قسم کی ریاکاری اور نمود و نمائش سے احتراز واجب ہے کہ وہ اس عملِ صالح کو برباد نہ کر دے۔ اس تقریب کا مقصد احباب کی دعوت، حکامِ وقت اور افسرانِ محکمہ کا تعارف نہیں ہونا چاہیے، امرائے عصر اور زعمائے وقت کی تقریبات اور ایصالِ ثواب کی مجالس میں ایک حدِ فاصل کا قیام اشد ضروری ہے۔ اپنے فوت شدگان کو ایصالِ ثواب کرتے وقت ہر فرد کے لیے اپنی مالی بساط پیشِ نظر رکھنا اور حسبِ مقدور خرچ کرنا بھی ضروری ہے کہ:

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾---[۲۰]

"اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا"---

کی نصِ قطعی تمام اہلِ ایمان کو حفظِ اعتدال کا درس دیتی ہے، یہاں تک کہ حج بیت اللہ کے فریضے کی ادائیگی کو بھی:

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا﴾---[۲۱] "جو طاقت رکھتا ہو، وہاں تک پہنچنے کی"---

زادِ راہ کی استطاعت سے مشروط فرمایا ہے۔ جب ایک فرض کے لیے استطاعت ضروری قرار دی گئی ہے، تو وہ امور جو فرض ہیں نہ واجب، ان کے لیے استطاعت کیوں کر شرط ہو یا کوئی صدقہ و خیرات، مقصود بالذات رضائے الٰہی ہو، تا کہ اس کے سبب اجر و ثواب حاصل ہو، جسے متوفی کی روح کو بخشا جائے، جیسا کہ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فتاویٰ مہریہ" کے صفحہ ۵۷ پر اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱......مسند امام احمد، جلد ۵، صفحہ ۲۱۱، مطبوعہ دار المعارف، مصر

۲......اشعۃ اللمعات (فارسی)، جلد ۲، صفحہ ۳۲۹، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، سن طباعت ۱۹۱۳ء

۳......سننِ ابی داؤد، جلد اوّل، باب فی فضل سقی الماء، صفحہ ۲۳۶، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، سن طباعت ۱۳۸۷ھ

۴......سننِ ابی داؤد بحوالۂ مشکوۃ، باب الملاحم، جلد دوم، صفحہ ۴۶۸، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

۵......سورہ مریم: ۱۵

۶......بخاری و مسلم بحوالۂ مشکوٰۃ، جلد دوم، باب جامع المناقب، صفحہ ۵۷۵، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

۷......مشکوٰۃ المصابیح ،باب ما یقال عند من حضرہ الموت ،جلداوّل، صفحہ۱۴۲،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

۸......ماثبت بالسنۃ (عربی)،از شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی،صفحہ ۳۳۸،مطبوعہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

۹......تفریح الخاطر (عربی)،ازعلامہ عبدالقادر بن محی الدین الاربلی،صفحہ ۱۲۹،مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد

۱۰......اخبار الاخیار (فارسی)،صفحہ۲۴۲،مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ،سکھر

۱۱......تفریح الخاطر (عربی)،صفحہ۱۲۹،مطبوعہ فیصل آباد

۱۲......ماثبت بالسنۃ(عربی)،صفحہ ۳۳۷

۱۳......ایضاً،صفحہ ۳۳۸

۱۴......ملفوظاتِ عزیزی (مترجم اردو)،صفحہ۱۲۷،مطبوعہ پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ میری روڈ کراچی

۱۵......فیصلہ ہفت مسئلہ،صفحہ ۷-۸،مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی،ادب منزل پاکستان چوک کراچی

۱۶......ایضاً

۱۷......اعلاء کلمۃ الحق فی بیان و ما اھل بہ لغیر اللّٰہ (فارسی)،ازحضرتِ اعلیٰ گولڑوی علیہ الرحمہ،صفحہ۹۱،مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور

۱۸......اعلاء کلمۃ اللّٰہ فی بیان و ما اھل بہ لغیر اللّٰہ(فارسی)،صفحہ۹۱-۹۲

۱۹......مہرِ منیر،طبع پنجم،بابِ دوم،صفحہ۱۷،مطبوعہ لاہور،سنِ طباعت اپریل ۱۹۸۷ء

۲۰......البقرۃ،۲۸۶

۲۱......آل عمران،۹۷



تبصرہ کتب

آداب محافل اور ہماری ذمہ داریاں

مرتب مولانا محمد نعیم جاوید نوری،صفحات ۶۴،ہدیہ:دس روپے کے ڈاک ٹکٹ

ناشر:جامع مسجد حنفیہ فیضان رسول،شام نگر چوبرجی،لاہور،فون نمبر:۷۴۶۹۷۱۸-۰۴۲

عرس اور آدابِ حاضری

مولانا حافظ نذیر احمد نوری

کچھ ایام اور تاریخیں ایسی ہوتی ہیں، جن کو قرآن کریم نے ایام اللہ کہہ کر ذکر کیا ہے۔ لوگوں کو ان کا شدت سے انتظار ہوتا ہے اور ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش وہ ایام ان کی زندگی میں عجلت سے آئیں۔ ان میں ایک دن حرمت والے چار مہینوں میں سے ماہِ رجب المرجب کا ہے۔ رجب المرجب کی یکم تاریخ، اہلِ سلسلہ نوریہ کے لیے عید سے بڑھ کر خوشیاں لاتی ہے، کیوں کہ اس تاریخ کو حضور قبلہ فقیہ اعظم مولانا علامہ الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ قادری نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرس اور دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کا سالانہ جلسہ دستار فضیلت ایک ساتھ منعقد ہوتا ہے، جس میں شمع نور کے نوری پروانے، اپنے ذوق کی تکمیل کے لیے اپنی مصروفیات، کاروبار اور موسم کی شدت کے باوجود دور دراز سے بڑے شوق سے شرکت کر کے روحانی غذا سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ موجودہ مادہ پرستی کے دور میں بزرگان دین کا وجود، وہ نعمت عظمیٰ ہے، جن کے پاس حاضری دلوں کو غفلت کی نیند سے جگا کر روحانی و ایمانی حلاوتوں اور لذتوں سے سرشار کرتی ہے اور ان کی نگاہ سے انسان اپنے قلب و روح میں ایک نورانی تبدیلی محسوس کرتا ہے۔ اہل اللہ نے ایمان کی حقیقت اور روح سے لوگوں کو آشنا کرنے کے لیے مختلف طریقے اپنائے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو جمع کر کے ان کے دلوں میں مصطفوی انقلاب برپا کرنے کے لیے مخصوص دن مقرر کیے ہیں، جنھیں عرف عام میں عرس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

عرس کا مفہوم

عرس عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی شادی، خوشی اور مسرت کے ہیں، اس لیے عربی میں دولہا کو عریس اور دلہن کو عروس کہا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کی تاریخ وصال کو عرس کہنے کی اہل بصیرت نے کئی وجوہات بیان کی ہیں۔

اولاً: مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جب قبر میں نکیرین، صاحب قبر کا امتحان لیتے ہیں اور وہ اس میں کامیابی حاصل کرتا ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں کہ اب تو اس عروس (دلہن) کی طرح سو جا، جس کو اس کے محبوب کے سوا اور کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ فرشتوں نے لفظ عروس استعمال کیا ہوتا ہے، اس مناسبت سے اس مرد مومن کی تاریخ وصال کو عرس کہا جاتا ہے۔

ثانیاً: قبر کی رات پیارے محبوب ﷺ کے حسین رخ زیبا کو دیکھنے کی رات ہے اور کائنات میں دیدار مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر بھلا اور کون سی نعمت ہے، جس کے حصول پر خوشی حاصل ہو۔

لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف
خرمن عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے

یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام سکراتِ موت سے بالکل خوف زدہ نہیں، بلکہ اسے محبوبِ حقیقی کا تحفہ سمجھ کر سینے سے لگا لیتے ہیں۔

اور کیوں نہ ہو کہ موت تو ایک پُل ہے، جس پر سے گزر کر محبّ اپنے محبوب کے جلوؤں سے فیض یاب ہوتا ہے۔ مولانا آسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ غلامان مصطفیٰ ﷺ اس دن وصال محبوب ﷺ کے مزے لوٹتے ہیں اور اپنی عروسی نیندوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس لیے اس دن کو یوم العروس یعنی شادی کا دن کہتے ہیں۔

ماثبت بالسنہ میں شیخ محقق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس دن اولیائے کرام بارگاہِ محبوب میں پہنچتے ہیں، اس دن تمام دنوں سے زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید ہے۔ اس لیے مشائخ عظام خاص اس دن مزارات پر اجتماعی صورت میں حاضر ہو کر اوراد و وظائف، صدقات و خیرات اور تلاوت کرتے ہیں اور صاحبِ مزار سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

قبروں کی زیارت کے لیے تاریخ اور دن کا مقرر کرنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، چنانچہ تفسیر کبیر میں متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور خلفائے راشدین ﷡ بھی یونہی کیا کرتے تھے۔

اہل اللہ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اپنے مزارات میں نہ صرف حاضرین وزائرین کے کلام کو سنتے ہیں، بلکہ انھیں دیکھتے اور پہچانتے ہیں اور ان کی مدد بھی کرتے ہیں، کیوں کہ ان کی روحیں وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہیں اور ان سے حیات ظاہری سے بھی زیادہ تصرفات صادر ہونے لگتے ہیں، وہ جہاں چاہتے ہیں، چلے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ صاحب ایمان کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی قید خانے میں تھا، اب اسے نکال دیا گیا ہے اور وہ زمین میں آزادی سے گھومتا پھرتا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جب اولیاء اللہ انتقال کرتے ہیں تو وہ اپنے بدنی علائق کو منقطع کر کے ملائکہ کے ساتھ مل جاتے ہیں اور جس طرح فرشتے آدمیوں کے دل میں نیک باتوں کا القا کرتے ہیں، یہ لوگ بھی کرتے ہیں۔ کبھی یہ پاک روحیں کفار سے جہاد کے وقت مسلمانوں کی امداد کرتی ہیں اور کبھی بنی آدم سے اس لیے قریب ہوتی ہیں کہ ان پر افاضۂ خیر فرمائیں۔

ان احادیث اور مشائخ وعلماء کے عمل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ والوں کا یوم وصال ان کے لیے دلہن بننے کا دن ہوتا ہے، اس لیے اس دن کو عرس کا دن کہتے ہیں اور عرس کے جائز اور مستحسن ہونے پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اتفاق رہا ہے۔

عرس کا مقصد

عرس ایک خالص دینی وروحانی اجتماع ہوتا ہے، اس کا مقصد صرف اور صرف انسان کی روحانی ترقی ہوتا ہے، چونکہ انسانی جسم وروح، دو چیزوں کا مرکب ہے اور جسم کی نشو ونما کے لیے تو ہر انسان دن رات کوشاں رہتا ہے، جب کہ روح جو اس جسمانی گاڑی کو چلاتی ہے، اس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر وقفوں کے بعد گاڑی کو اوور حال نہ کروایا جائے، تو وہ خطروں کا باعث بن جاتی ہے۔ بعینہ انسان کی روح کو گاہے گاہے، پاکیزہ اور مضبوط بنانے کا انتظام نہ کیا جائے تو انسان درندہ بن جاتا ہے۔ عرس ایک ورکشاپ کا کام کرتا ہے، جہاں انسانی مشین کے انجن یعنی روح کی میل کچیل اتارنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ عرس کوئی تفریحی میلہ نہیں،

Scanned with CamScanner

بلکہ ذکر وفکر، تعلیم اور تلقین کی پاکیزہ محفل کا نام ہے، جس کی افادیت اور اہمیت سے وہ لوگ بھی انکار نہیں کر سکتے، جو اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

عرس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے بندوں کا تعلق، مالک حقیقی سے جوڑنا اور لوگوں کے دلوں میں پیارے محبوب ﷺ کی سچی محبت اور اظہار کا جذبہ بیدار کرنا ہوتا ہے۔ صحیح عرس تو اہل محبت وعقیدت کا ایک روح پرور اجتماع ہوتا ہے، جہاں سے علم وہدایت اور معرفت وعرفان کے چشمے پھوٹتے ہیں اور مختلف قسم کے اعمال، اذکار اور عبادات کے طریقے نہایت نظم کے ساتھ مرتب کیے جاتے ہیں، جس سے طالب اپنے ذوق کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ عرس ایک ریفریشر کورس ہوتا ہے، جس سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے، روح کی لطافت میں اضافہ ہوتا ہے اور روح کی پرواز کی رفتار بڑھتی ہے اور بندے کا تعلق اپنے خالق حقیقی سے مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ عرس میں شریک ہونے والے نہ صرف خود اپنے دلوں کو معرفت کے نور سے منور کرتے ہیں، بلکہ واپس جا کر اپنے گھروں، محلوں اور آبادیوں میں پیارے محبوب ﷺ کی محبت کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ ایسے عرس نہ صرف مبارک ہیں بلکہ اس دور میں بڑی غنیمت ہیں اور دین کی سربلندی کا ذریعہ اور تواصوا بالحق کا اہم وسیلہ ہیں۔

عرس کی خصوصیات جو بزرگوں نے بیان فرمائی ہیں، **لا تعد و لا تحصی** ہیں، تاہم چند ایک کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، جن پر عمل پیرا ہو کر ہم عرس کے انوار سے اپنے قلب وروح کی کھیتیوں کو رحمت وبخشش کی بارش سے سیراب کر سکتے ہیں۔

خلوص نیّت

عرس کی مقدس تقریب میں شامل ہونے والے ہر شخص کو اپنی اصلاح وتربیت کی غرض سے اپنے گھر سے روانہ ہونا چاہیے اور عرس کو اپنی روحانی تربیت کا ذریعہ سمجھنا چاہیے اور ہمہ وقت اس بات کی کوشش اور فکر کرنی چاہیے کہ عرس اس کے انداز فکر وعمل کی اس تبدیلی کا ذریعہ بن جائے، جس کے نتیجہ میں وہ سچا باعمل انسان بن جائے اور عرس سے واپسی کے بعد ان کی عبادات، تجارت اور معاشرت ایسی ہو کہ اسے اسلامی کہا جا سکے۔

عرس کے موقع پر ہر مرید کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور واپس جا کر بھی اسے حساب لگانا چاہیے کہ اس سفر کا مقصد کس حد تک پورا ہوا ہے اور کیا اس نے آنے اور جانے کو ہی تو سب کچھ نہیں سمجھ لیا۔

عقیدت وارادت

مرید کو اپنے پیر کی کاملیت پر پورا یقین ہو، وہ اپنے پیر کی ہر بات کو اپنی اصلاح کا ذریعہ

سمجھے۔ اپنے شیخ کا کوئی ارشاد یا عمل سمجھ آئے یا نہ آئے، اسے اس پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی طرف سے اعتراض، نکتہ چینی یا طبیعت میں قبض نہیں کرنا چاہیے، بقول حافظ شیرازی:

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

قطب ربانی محبوب سبحانی حضور سیدنا غوث اعظم ﷺ کا فرمان ہے کہ مرید پر شیخ کی ظاہری و باطنی مخالفت اور اعتراض کا ترک واجب ہے، جو اپنے شیخ پر اعتراض کرتا ہے، وہ اپنے نفس کو ہلاکت پر آمادہ کرتا ہے، لہٰذا مرید کو اپنے پیر کے مقابلہ میں ہمیشہ نفس کا دشمن رہنا چاہیے۔ نیز فرمایا کہ مرید اپنے شیخ کو سب سے بہتر جانے اور اس کی مخالفت سے ڈرے کہ یہ زہر قاتل ہے اور شیخ سے اپنے احوال واسرار کو نہ چھپائے۔

حضور خواجہ اجمیری ﷺ فرماتے ہیں کہ مرید اپنے شیخ کے فرمان سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرے، کیوں کہ شیخ اپنے مرید کو سنوار کر کمال تک پہنچاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اپنے شیخ کی موجودگی اور عدم موجودگی میں یکساں خدمت کرنی چاہیے، بلکہ بعد از وصالِ شیخ، اس کی ظاہری زندگی سے بھی زیادہ خدمت کرے۔

پیر کی پسند مرید کی پسند ہو، پیر کی ہر خواہش کا احترام کرنا، مرید کے لیے ضروری ہے۔ یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ اہل اللہ نہ تو لمبے چوڑے وعظ کرتے ہیں اور نہ ہی حاکم کی طرح حکم دیتے ہیں، وہ تو چند لفظوں میں اپنے دل کی بات کہہ جاتے ہیں۔ اب مرید کا فرض ہے کہ وہ پیر کی محفل میں بیٹھے تو ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے۔ اپنے شیخ کے ارشادات کو غور سے سنتا جائے اور اپنے اندر کی خامیوں کی اصلاح کا عزمِ صمیم بھی کرتا جائے۔

ادب واحترام

مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیر و مرشد کا ماں باپ سے بھی زیادہ احترام کرے اور شیخ پر اپنی ضروریات پیش کرنے میں ادب واحترام اور وقت و موقع کی رعایت رکھے اور جب شیخ کو اپنی طرف متوجہ اور بات سننے کے لیے آمادہ پائے تو ذکر کرے، ورنہ خاموش رہ کر انتظار کرے۔ شیخ کی بارگاہ میں دوزانو بیٹھے، شیخ پر اپنا کوئی احسان نہ سمجھے، بلکہ اس کا احسان جانے کہ اس نے اسے اپنی بارگاہ میں قبول کرلیا اور رد نہیں کیا۔ جب شیخ کی بارگاہ میں حاضری دے کر واپس آئے تو الٹے پاؤں لوٹے۔ شیخ کے آتے جاتے وقت ایسے کھڑا ہو کہ تعظیم سے بڑھ کر اظہار عاجزی ہو۔

شیخ کی خدمت میں آتے اور جاتے وقت ادب واحترام کو ملحوظ رکھے اور یہ یقین جانے کہ جو کچھ مجھے حاصل ہو رہا ہے، وہ شیخ کے طفیل مل رہا ہے۔ شیخ کے مزار مبارک اور گھر بار کا بھی ادب کرے۔ مزار مبارک پر حاضر ہو کر شیخ کو اپنے بدن میں روح کی طرح تصور کرے اور ایسے رہے جیسے نو آموز طالب ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ شیخ کے پاس ہوتے ہوئے کسی کی طرف توجہ نہ کرے، خواہ ابدال اور اوتاد سے ہی ملاقات کیوں نہ ہو اور شیخ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ رہے۔ جب شیخ کے مزار کی حاضری کو جائے تو نزدیک پہنچ کر نہ زیادہ تیز چلے اور نہ آہستہ، بلکہ درمیانی رفتار سے چلے۔ فاتحہ پڑھتے وقت منہ شیخ کی طرف ہو اور واپس ہوتے وقت کم از کم تین قدم الٹے پاؤں چلے۔

علامہ قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی اپنے شیخ کی مجلس میں حاضر ہوتا، تو اس روز روزہ رکھتا اور پھر غسل کرتا اور بعض اوقات تو میری یہ حالت ہوتی کہ اگر سوئی بھی چبھو دی جائے تو محسوس نہ ہو۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک عرصہ تک حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہے۔ ایک دن امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بایزید! ذرا طاق سے کتاب اٹھاؤ، عرض کی، حضور طاق کہاں ہے؟ فرمایا، اتنا عرصہ گزر گیا، ابھی تک طاق کا پتہ نہیں۔ عرض کی، حضور! مجھے تو آپ کی زیارت ہی سے فرصت نہیں، طاق کا خیال کیسے رکھوں؟

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حصول فیض کے لیے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کے مزار پر، نماز عشاء خرقان میں ادا کر کے بسطام آتے اور نماز فجر اسی وضو سے واپس خرقان میں ادا کرتے اور یہ سلسلہ عرصہ بیس سال تک چلتا رہا اور ایک دن بھی ناغہ نہ ہوا۔ مزار پر بڑے ادب سے کھڑے رہتے اور واپسی پر تمام راستہ مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے۔ وصال کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودنا، کیوں کہ خرقان کی زمین بسطام کی زمین سے تیس گز اونچی ہے اور یہ بے ادبی ہے کہ میری قبر حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کی قبر سے اونچی ہو۔

یہ چند مثالیں اس لیے عرض کی ہیں کہ سوائے ادب واحترام کے کوئی بھی بلند مقام پر فائز نہیں ہو سکتا، اس لیے مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے ادب واحترام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ اپنی آواز کو مرشد کی آواز سے بلند نہ کرے اور نہ ہی اپنے شیخ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے اور اپنے شیخ کے آگے نہ چلے۔ اگر بارگاہ شیخ میں بیٹھنے کے چند لمحات خوش بختی سے میسر آ جائیں، تو غنیمت سمجھتے ہوئے باادب بیٹھے۔ علاوہ ازیں اپنے دوسرے پیر بھائیوں کے ادب واحترام کا بھی خاص خیال رکھے۔

پاکیزگی

عرس کے دوران باوضو رہنے کی کوشش کرے، تمباکو نوشی سے اجتناب کرے، زبان کو فحش گوئی اور غیبت جیسی چیزوں سے آلودہ کرنے کی بجائے ذکر سے تر رکھے اور اس حاضری کو تفریح یا پکنک نہ سمجھے۔ یہ نہ ہو کہ ادھر عرس کی مقدس تقریبات میں شرکت کا اعلان کیا جارہا ہو اور یہ دکانوں پر بیٹھا چائے کے بہانے خوش گپیوں میں مصروف ہو۔ یہ بات ہمیشہ قلب وذہن پر نقش ہو جائے کہ شیخ کی محفل میں حاضری، خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

ھم قوم لا یشقی بھم جلیسھم---

''یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین خدا کی رحمت سے محروم نہیں رہتا---

بلکہ پیر رومی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　او نشیند در حضور اولیاء

جو شوی دور از حضور اولیاء　　در حقیقت گشتہ دور از خدا

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''جو شخص خدا کی ہم نشینی یعنی قرب چاہتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ اولیاء اللہ کے حضور میں بیٹھے۔ جب تو اولیاء اللہ کے حضور سے دور ہو جائے تو یقین کرلے کہ تو خدا سے دور ہو گیا۔ اولیاء اللہ کی ایک دم کی صحبت سو سال کی بے ریا عبادت سے افضل ہوتی ہے''---

پیر رومی علیہ الرحمۃ نے ایسے بے سمجھ لوگوں کے لیے جو انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام علیہم الرحمہ کو اپنے حال پر قیاس کرتے ہیں، چند مثالیں بیان فرمائی ہیں، جن کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ پاک لوگوں کے معاملہ کو اپنے پر قیاس نہ کرو۔ شیر اگر چہ لکھنے میں شِیر (دودھ) کا ہم شکل ہوتا ہے مگر دونوں میں بڑا فرق ہے۔ شیر وہ ہے جو آدمیوں کو پھاڑ کھاتا ہے اور شِیر (دودھ) وہ ہے، جسے آدمی پیتے ہیں۔ اس غلط قیاس سے لوگ گمراہ ہو گئے کہ ہم بھی انسان اور یہ بھی انسان اور ہم دونوں کھانے، سونے اور دیگر بشری تقاضوں کے پابند ہیں۔ پھر فرق کیا ہوا؟

نیز فرماتے ہیں کہ بھڑ اور شہد کی مکھی نے ایک ہی جگہ سے پھولوں اور شگوفوں کا رس چوسا مگر ایک سے زہر (ڈنگ) اور دوسری سے شہد پیدا ہوا۔ نیز دونوں ہرنوں نے ایک ہی جنگل میں ایک ہی طرح کی گھاس چری اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیا لیکن ایک سے مینگنیاں بن گئیں، جب کہ دوسرے سے خالص کستوری حاصل ہوئی۔ پھر فرمایا کہ گنا اور بانس ایک قسم کی فضا اور

Scanned with CamScanner

آب و ہوا میں نشو و نما پاتے ہیں اور ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، لیکن ایک کھوکھلا اور دوسرا شکر یعنی رس سے بھرا ہوا ہے۔

عرس سے واپسی

عرس سے واپس جاتے وقت اس بات کا ضرور جائزہ لیجیے کہ آپ نے جس مقصد کے لیے عرس پاک کی اس مقدس تقریب میں شرکت فرمائی، وہ کہاں تک حاصل ہوا؟ کیا آپ نے عرس کی انتظامیہ کی بھی اطاعت کی؟ جو کام آپ کے سپرد ہوا، کیا آپ نے اسے احسن طریقے سے سرانجام دیا؟ جو آپ کو حکم ملا، کیا اس پر فوراً عمل پیرا ہوئے؟ کیا آپ نے لنگر کی تقسیم کے وقت پورے صبر اور نظم وضبط کا مظاہرہ کیا؟ کیا آپ نے دوسروں کی خدمت کو اپنا شعار بنایا؟

مجھے ایک دفعہ عرس شریف سے واپسی پر ایک دوست نے پوچھا کہ عرس میں شمولیت میں پہلی اور بعد کی حالت میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟ ذرا آپ بھی اس سوال کو ذہن میں رکھیں کہ عرس شریف سے واپسی کے بعد آپ سے یہی سوال کیا جائے، تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اگر عرس میں شمولیت کے بعد بھی آپ کے معمولات زندگی میں فرق نہیں آیا، کاروبار دنیا میں حقوق العباد کو خلوص نیت پورا کرنے کی ترغیب نہیں ہوئی، حقوق اللہ کی طرف پورا پورا رجحان نہیں ہوا اور اپنے فرائض منصبی کو دیانت داری اور نیک نیتی کے ساتھ ادا کرنے کا ولولہ پیدا نہیں ہوا، تو یقین جانیے کہ آپ کی شمولیت سے جو وقت اور پیسہ خرچ ہوا، وہ ضائع گیا اور عرس سے جو فیوض و برکات حاصل ہونی چاہیے تھیں، وہ نہیں ہوئیں اور جیسے آئے تھے، ویسے ہی واپس چلے گئے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے شیخ کے مشن کے لیے تن، من، دھن کی بازی لگا دی جاتی، کیوں کہ اپنی زندگی کو شیخ کی خواہش کے برعکس شیطان کی خواہش کے مطابق گزارنا محبت نہیں، بلکہ منافقت ہے۔ مثلاً شیخ نماز کی پابندی کا حکم دے اور اس کی پروا نہ کرنا، شیخ، جھوٹ، چغلی، غیبت اور دیگر برائیوں سے منع کرے مگر اس سے نہ رکنا۔ شیخ حلال روزی کمانے کی ہدایت کرے مگر اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے حلال وحرام کی تمیز نہ کرنا اور محبت کا دعویٰ کرنا، یہ بھی بے ادبی ہے۔

ضروری بات

ایک نہایت اہم بات جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، وہ یہ کہ سال کے ۳۶۵ دنوں میں سے صرف دو دن اپنے شیخ کامل کی خاطر وقف کر دیں اور ان دِنوں یہاں کے نورانی پروگراموں میں پوری دل چسپی، دل جمعی اور فرض سمجھ کر حصہ لیں اور باقی دنیوی معاملات اور سرگرمیاں کسی اور

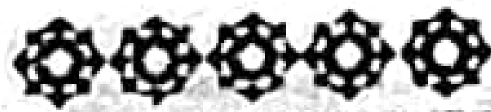
Scanned with CamScanner

وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔ یہ دو دن صرف اور صرف تزکیۂ نفس، غور وفکر اور تربیت روحانی کے لیے مخصوص ہونے چاہییں اور دیگر ہر قسم کی مصرفیات کو خیر باد کہہ دیں، گلیوں میں کھڑے ہو کر یا دکانوں پر بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، نماز باجماعت ادا کریں اور کوشش کریں کہ اپنے بڑے بچوں کو ہمراہ لائیں تا کہ ان کا پیر خانے سے تعلق مضبوط ہو اور انھیں یہاں کی حاضری کے آداب سکھائیں۔

آخری گزارش

متذکرہ بالا سب گزارشات کا لب لباب یہ ہے کہ ان دو یا تین دنوں کو غنیمت جان کر اپنی زندگی پر نظر ڈالیں اور غور وفکر کریں اور اپنی اصلاح کے لیے خلوص نیت سے دعا مانگیں کہ وہ قادر مطلق، اولیاء کرام اور بزرگوں کے تصدق سے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہماری سابقہ خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کرے تا کہ ہماری روح کو پاکیزگی ملے۔ بزرگوں کے اعراس منانے کی یہی غرض وغایت ہوتی ہے اور یہی اس کی صحیح روح ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات



جامعہ اویسیہ رضویہ بہاول پور میں دورۂ تفسیر القرآن

آغاز: 27/اگست 2005ء، بروز ہفتہ بعد نماز ظہر — اختتام: 26/ستمبر 2005ء، بروز سوموار

تدریس: شیخ طریقت فیض ملت حضرت مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

معاون مدرسین

فخر المدرسین علامہ مولانا امیر احمد نوری، حاصل والا — جگر گوشۂ فیض ملت علامہ صاحبزادہ محمد عطاء الرسول اویسی — جگر گوشۂ فیض ملت علامہ صاحبزادہ محمد فیاض احمد اویسی

●...... قرآن پاک کا مکمل ترجمہ وتفسیر، مختلف آیات کا شان نزول، قدیم وجدید دینی، اسلامی، اصلاحی، فقہی مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے--- ●...... خواہش مند حضرات سادے کاغذ پر درخواست دورہ سے دس دن قبل علاقہ کے سنی عالم دین سے تصدیق کروا کے ناظم اعلیٰ جامعہ ہٰذا کے نام روانہ فرمائیں--- ●...... شرکائے دورہ شریف کو کاروان اسلامی (انٹرنیشنل) کی جانب سے عمرہ کا ایک ٹکٹ بذریعہ قرعہ اندازی پیش کیا جائے گا، جس کے لیے 80% حاضری ضروری ہے--- ●...... شرکائے دورۃ القرآن کو علمائے اہل سنت کی تصانیف تحفۃً دی جائیں گی---

منجانب: دار العلوم جامعہ اویسیہ رضویہ، جامع سیرانی مسجد، سیرانی روڈ بہاول پور، فون: 062-2881371

عرس حضرت فقیہ اعظم و اجلاس دار العلوم، مورخہ 7 - 8/ اگست 2005ء، اتوار، پیر

انوار الحدیث

تیسری قسط

زیارتِ قبور

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

قالت کیف اقول لھم یا رسول اللّٰہ قال قولی السلام علی اھل الدیار من المؤمنین و المسلمین و یرحم اللّٰہ المستقدمین منا و المستاخرین و انا ان شاء اللّٰہ بکم للاحقون---

[مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۱۴، سعید کمپنی/ سنن نسائی، جلد ۱، صفحہ ۲۸۷، کئی احادیث ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵]

''حضرت سیدہ عائشہ (سلام اللہ علیھا) نے عرض کیا، یارسول اللہ! (میں قبرستان میں جا کر) انھیں کیسے مخاطب کروں؟ ارشاد ہوا (یوں) کہو، مومنوں اور مسلمانوں پر جوان گھروں (قبروں) میں رہ رہے ہیں سلام ہو، اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے آنے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحم فرمائے اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں''---

واضح بات ہے قبروں پر جانے کی خواتین کو اجازت ہے، اگر اجازت نہ ہوتی تو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو فرماتے، آپ نے قبروں پر نہیں جانا ہے۔ مومنوں، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں میں سے ان گھروں (قبروں) میں رہنے والو! تم پر سلام ہو، ہم یقیناً آپ سے ملنے والے ہیں، ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت چاہتے ہیں۔

یہاں اہل الدیار سے پہلے لفظ ''یا'' محذوف ہے، معنی ہوگا، اے ان گھروں میں رہنے والو،

اگر کسی کو شک ہو تو آگے دیکھ لے "بِکُم" میں "کُم" (تم سب) حاضر کی ضمیر ہے۔ واضح بات ہے کہ انہیں حاضر کی ضمیر سے خطاب کیا جا رہا ہے، اگر وہ سنتے نہیں ہیں تو یہ خطاب کیوں ہو رہا ہے؟ پھر بتانے والے خود قرآن لانے والے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حدیث شریف سے دو باتیں ثابت ہوئیں، وہ برزخی زندگی سے زندہ ہیں اور قبر پر آنے والوں کی باتیں سنتے ہیں۔

آیات زندہ کافروں کے لیے ہیں

جو آیات نہ سننے کے بارے میں ہمارے یہ حضرات پیش فرما رہے ہیں، وہ زندہ کافروں کے بارے میں ہیں کہ وہ کان رکھتے ہوئے بھی سنتے نہیں ہیں۔ قرآن حکیم نے یہ بات کئی پیرایوں میں بیان فرمائی ہے، کاش یہ حضرات توجہ سے قرآن کا مطالعہ فرماتے، نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔

﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ○ وَ مَا اَنْتَ بِھٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ ط اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○﴾ --- [النمل:۸۱]

"بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر مڑ جائیں اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ دکھا سکتے ہیں، آپ تو صرف انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ فرماں بردار ہیں" ---

کیا مردے بھی پیٹھ پھیر کر مڑ جاتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس سے مراد صرف زندہ کافر ہیں، عقل کے اندھوں اور کفر میں غرق لوگوں کو ہدایت دینا آپ ﷺ کا کام نہیں، فرمائیے! مردوں کو بھی برزخ میں کہیں ہدایت دینے کا حکم ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس سے مراد زندہ کافر ہیں، قرآن نے پھر فیصلہ کن انداز میں فرمایا، آپ ﷺ تو انہی کو سنا سکتے ہیں جن کا ہماری آیات پر ایمان ہے اور وہ اطاعت کیش ہیں۔ غور فرمائیے، یہ زندہ ہیں یا مردہ ہیں؟ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مردوں کو دعوت ایمان دینے تشریف لے گئے تھے اور وہ سن نہیں رہے تھے؟ اللہ کریم قرآن سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم اس تفسیر کی تائید میں ایک آیت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

﴿لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا ط اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○﴾ --- [الاعراف:۱۷۹]

''ان (کافروں) کے دل تو ہیں لیکن ان کے ذریعے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں ان سے سنتے نہیں، وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ (جانوروں سے بھی) بڑھ کر گمراہ ہیں، وہی لوگ غافل ہیں''---

ارشاد فرمائیں، کیا یہ بھی مردوں کے لیے ہے، انھیں تو جانوروں سے زیادہ گمراہ فرمایا جارہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ﷻ ہمیں ایسی گمراہی سے بچائے اور کج بحثوں کو غور کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ہم اپنے معزز قارئین کو اس موضوع پر چند اور آیات کی نشان دہی صرف تبرک کا کرنا چاہتے ہیں، ورنہ اس موضوع پر قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں:

زخرف:۴۰، الاحقاف:۲۶، محمد:۱۶، الاعراف:۱۹۸، الجاثیہ:۲۳، یونس:۱۴۲-۱۴۱، الانفال:۲۳-۲۱

نہ مانوں کا تو علاج کسی کے پاس نہیں، البتہ اس مرض کا نام کتبِ اخلاق میں جہلِ مرکب ہے۔

مردوں کو ''یا'' سے خطاب

❷ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کے قبرستان سے گزرے تو ان (مردوں) کی طرف منہ مبارک کر کے فرمایا:

''اے قبروں والو! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں بخشے، تم ہمارے آگے ہو اور ہم تمھارے پیچھے ہیں''--- [ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۲۰۳، سعید کمپنی/ ابن ماجہ، صفحہ ۱۱۲/ ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵، مکتبہ امدادیہ ملتان/ نسائی، جلد ۱، صفحہ ۲۲۲، سعید کمپنی]

اب ملاحظہ فرمائیں، حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مردوں کو ''یا'' سے خطاب فرما رہے ہیں اور قبروں کی طرف منہ مبارک کیے ہوئے ہیں، قبروں پر جانا بھی ثابت ہوا، ان کی زندگی بھی ثابت ہوئی اور ان کے لیے دعا بھی ثابت ہوئی۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

''یہاں تک کہ (گھر سے نکل کر) آپ ﷺ جنت البقیع میں جلوہ فرما ہوئے، تین دفعہ ہاتھ مبارک اٹھا کر لمبی دعا فرمائی''---

مذکورہ بالا حدیث میں امام مسلم اور امام نسائی نے پوری طرح سیدہ کے ارشادات نقل فرمائے ہیں، شائقین اہلِ علم ملاحظہ فرمائیں۔ حدیث سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی ثابت ہوا، یہ کئی احادیث میں مذکور ہے، تین دفعہ الگ الگ دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنا بھی ثابت ہوا، اللہ کریم ﷻ ہمیں بدعتوں کے فتووں سے بچائے۔

❸ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اقدس ﷺ ایک عورت کے پاس سے

گزرے، جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر، وہ بولی آپ ﷺ مجھے میرے حال پر چھوڑیں، اس لیے کہ آپ کو میری مصیبت جیسی مصیبت نہیں ملی ہے، وہ حضور ﷺ کو پہچانتی نہیں تھی، اسے بتایا گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے درِ اقدس پر حاضر ہوئی، (گویا معذرت کے لیے آئی) وہاں کوئی دربان نہیں تھے، کہنے لگی، میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا، آپ ﷺ نے فرمایا، صبر تو صرف مصیبت کی ابتداء میں ہوتا ہے۔

[بخاری، جلد۱، صفحہ ۱۷۱، سعید کمپنی/ نیز بخاری لبنانی، جلد۱، صفحہ ۲۱۸]

حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس دورِ اقدس میں خواتین قبروں پر جاتی تھیں، اسی لیے رحمتِ عالم ﷺ نے اسے صبر کی تلقین تو فرمائی مگر قبر پر جانے سے نہیں روکا۔

❹ حضور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بے شک میں تمھیں قبروں کی زیارت سے روکا کرتا تھا، اب محمد (مصطفیٰ ﷺ) کو ان کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی ہے، تم بھی قبروں کی زیارت کرو، یہ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

[ترمذی، جلد۱، صفحہ ۲۰۳، سعید کمپنی/ مسلم، جلد۱، صفحہ ۳۱۴/ ابوداؤد، جلد۲، صفحہ ۱۰۵]

امام ترمذی فرماتے ہیں:

”(عورتوں کی ممانعت) زیارتِ قبور کی اجازت سے پہلے تھی، جب اجازت مل گئی تو اجازت میں مرد اور عورتیں سب شامل ہو گئے“---

ترمذی، جلد۱، صفحہ ۲۰۳/ ابوداؤد، جلد۱، صفحہ ۲۸۶ میں یہ الفاظ زائد ہیں:

”فحش اور لغو باتیں نہ کرو“---

تو یہ آداب میں شامل ہو گی۔

قبر پر خیمہ لگا دیا

❺ جناب حسن (المثنیٰ) بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا جب وصال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر سال بھر خیمہ (قبہ) لگا لیا، پھر اسے اٹھا لیا، لوگوں نے ایک پکارنے والے (غیبی آواز والے) کو سنا، وہ کہہ رہا تھا، کیا گم شدہ مل گیا ہے (کہ خیمہ اکھاڑ کر جا رہی ہے) دوسرے نے اسے جواب دیا، نہیں جی، بلکہ مایوس ہو کر واپسی کا راستہ لیا ہے۔[بخاری، جلد۱، صفحہ ۱۷۷]

یہ دورِ صحابہ و تابعین ہے، سیدنا حیدرِ کرار کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پوتے سیدنا حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی صرف قبر پر جاتی نہیں ہیں، بلکہ وہاں خیمہ لگا کر پورا سال تشریف فرما

رہتی ہیں، صحابہ اور تابعین (علیہم الرضوان) سے کوئی بھی اس عمل کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا، پھر اہل بیت کے گھر قرآن اترا ہے، حدیث کے چشمے انہی کے گھر سے پھوٹے ہیں، اگر خواتین کے لیے خصوصاً اور مردوں کے لیے عموماً ممانعت تھی تو سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا اور علم وولایت کے منبع سیدنا حیدر کرار کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی مقدسہ پوتی کو اس خالص اسلامی معاشرے میں اس کا علم نہ ہوسکا اور دور حاضر کے ایک مختصر سے طبقہ کو علم ہوگیا، قارئین خود انصاف فرمائیں کہ حق پر کون ہے۔

قبروں پر باجماعت حاضری

6 سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہیدوں کی قبروں (کی زیارت) کے لیے نکلے، یہاں تک کہ ہم واقع (متاع) کی حرہ پر چڑھ گئے، جب ہم اس کی اترائی کی طرف ڈھلکے تو وادی کے موڑ پر کچھ قبریں دیکھیں، فرماتے ہیں، ہم نے عرض کیا، کیا ہمارے بھائیوں (شہداء) کی قبریں یہی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔ جب ہم (آگے نکل کر) شہداء کی قبروں تک پہنچے تو ارشاد ہوا، یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زیارت قبور کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ جارہے ہیں، اب اگر کچھ لوگ اس انداز سے جائیں تو کیا یہ اتباع سنت ہے یا بدعت؟ عمل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سنت ہوتا ہے۔

7 جو اپنے والدین یا ان سے ایک کی قبر کی زیارت کرتا ہے ہر جمعہ کو، اس کی بخشش ہوجاتی ہے اور اسے فرماں بردار لکھا جاتا ہے۔ [مشکوٰۃ، صفحہ ۱۵۴ بحوالہ بیہقی]

حضور ﷺ خود سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر تشریف لے گئے، جنت البقیع میں تشریف لے گئے، صحابہ، صحابیات، امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سید کل ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری دی۔ آج بھی سعودی حکومت خواتین کے لیے وہاں خصوصی اوقات زیارت کے رکھتی ہے، تو یہ اجماع امت ہے۔ آپ خود سوچیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ حاضری دیں تو نیت مسجد نبوی کی کریں، حضور ﷺ کی خدمت سامیہ میں حاضری کی نیت نہ کریں، کبھی انھوں نے غور کیا کہ یہ مقدس مسجد کی ساری عظمتیں بھی تو نسبت مصطفوی سے ہیں۔ یا اللہ! اپنے محبوب ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں سنتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور عملِ امت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما۔

8 ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں اپنے گھر میں

پردہ کے کپڑوں کے بغیر چلی جاتی تھی، جس میں رسول اللہ ﷺ کا مزار ہے اور کہتیں، اس میں میرے خاوند اور میرے والد ہی تو ہیں، جب (سیدنا) عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں دفن ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی قسم، میں اس گھر میں پردے والے سارے کپڑے پہنے بغیر کبھی داخل نہیں ہوئی۔ مجھے (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ سے حیا آتی تھی۔[مشکوٰۃ، جلد ا، صفحہ ۱۵۴، بحوالہ مسند امام احمد]

فاتحہ خوانی

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَ اسْئَلُوا اللّٰهَ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْئَلُ---[ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۱۰۳، سعید کمپنی کراچی]

''حضرت (سیدنا) عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوئے تو اس کے پاس ٹھہرے اور فرمایا، اپنے بھائی کے لیے مغفرت چاہو اور اس کی ثابت قدمی کا سوال کرو کیوں کہ اب اس سے پوچھ ہونی ہے''---

حدیث پاک سے میت کے لیے دعا ثابت ہوئی، جنازہ تو خود رحمتِ عالم ﷺ نے پڑھایا، اگر جنازہ کی دعا ہی کافی تھی تو پھر دفن کے بعد دعا کا حکم کیوں دیا؟ پتہ چلا کہ موت کے بعد بھی دعائیں کریں، جنازہ میں دعا کریں، جنازہ کے بعد قبر پر بھی دعا کریں، دعا سے روکنا عملِ رسول ﷺ کی مخالفت اور میت سے دشمنی کے مترادف ہے۔

محشی فرما رہے ہیں کہ یہاں سے دفن کے بعد میت کے لیے مغفرت طلبی کا ثبوت ملتا ہے، اس کے لیے اس حال میں ثابت قدمی کی دعا ہے، کیوں کہ اب اس سے جواب طلبی ہوگی۔ حدیث سے قبر کی زندگی کا ثبوت بھی ملتا ہے، اس موضوع پر بہت ساری احادیث وارد ہیں، جو متواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ میت سے قبر میں سوال ہوتا ہے، اس سلسلے میں بھی صحیحین (بخاری و مسلم) میں بہت سی صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔[حاشیہ نمبر ۱۲]

یاد رہے کہ یہ حاشیہ علامہ فخر الحسن گنگوہی کا ہے، جنھیں دیوبندی حضرات بہت بڑا محدث مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ مزید حوالے ملاحظہ ہوں:

① (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے ان دونوں (ابو سلمہ، ابن مسیب) کو یہ حدیث بتائی کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں نجاشی (شاہِ حبشہ) کی موت کی خبر دی، جس دن وہ فوت ہوئے اور فرمایا، اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔[نسائی، جلد ا، صفحہ ۲۶۵، قدیمی کتب خانہ کراچی، نیز صفحہ ۲۸۷]

اس حدیث سے پتہ چلا کہ نجاشی کے وصال ہوتے ہی اسی دن نبی کریم ﷺ نے اطلاع فرمادی۔ اس دور میں فون وغیرہ تو کچھ بھی نہیں تھے، یہ نگاہِ نبوت کی بات ہے، جو نجاشی کو حبشہ میں دیکھ رہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر ان کا جنازہ بھی پڑھایا، محدثین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب جنازہ پڑھا رہے تھے تو نجاشی کا جسم آپ سامنے تھا، لہٰذا حضور ﷺ کے لیے یہ غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں تھی۔ کتبِ صحاح کے حواشی دیکھے جاسکتے ہیں۔[بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۴۷، حاشیہ نمبر ۹]

② (سیدنا) ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نجاشی (شاہ حبشہ) کی اسی دن موت کی خبر دی جس دن ان کا وصال ہوا اور فرمایا، اپنے بھائی کے لیے مغفرت چاہو۔ سعید ابن مسیّب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے جنازہ گاہ میں انہیں صفیں بندھوائیں اور (جنازہ میں) چار تکبیریں پڑھیں۔[بخاری، جلد ۱، نیز صفحہ ۵۴۸-۵۴۷]

امام بخاری نے یہاں چار احادیث درج فرمائی ہیں، حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نجاشی کا نام اصحمہ ارشاد فرمایا ہے اور ان کے لیے رجل صالح (نیک مرد) کے الفاظ بھی استعمال فرمائے ہیں، کرمانی فرماتے ہیں یہ اطلاع معجزہ ہے۔[جلد ۱، صفحہ ۵۴۷]

③ امام مسلم نے نسائی والی حدیث نمبر ۱ سات سندوں میں سے روایت فرمائی ہے، وہاں ان کا نام اصحمہ مذکور ہے اور عبد اللّٰہ صالح کے الفاظ ہیں، معنی ہے "اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ" یہاں بھی استغفروا لاخیکم "اپنے بھائی کے لیے طلب مغفرت کرو" کا جملہ موجود ہے۔

[مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۰۹، قدیمی کتب خانہ کراچی]

④ (جبرائیل علیہ السلام) نے آکر عرض کیا کہ بے شک آپ کے پروردگار نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ بقیع والوں کے پاس تشریف لے جائیں اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔

[مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۱۴]

جنازہ کے اختتام پر دعا

⑤ میں (الہجری) نے عبداللہ بن ابی اوفی اسلمی رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی صاحبزادی کا جنازہ پڑھا، انہوں نے چار تکبیریں پڑھیں، چوتھی تکبیر کے بعد کچھ ٹھہرے رہے، میں نے لوگوں کو صفوں کے گوشوں سے تسبیحیں کہتے سنا، انہوں نے سلام پھیرا، پھر فرمایا، کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ میں پانچ تکبیریں کہوں گا؟ لوگوں نے عرض کیا، ہمیں اسی بات کا خوف تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ چار تکبیریں پڑھ کر کچھ دیر کے لیے رک جاتے تھے، پھر فرماتے جو اللہ تعالیٰ چاہتا

Scanned with CamScanner

کہ فرمائیں، اس کے بعد سلام پھیر دیتے۔ [ابن ماجہ، صفحہ ۱۰۹، مرکز علم وادب کراچی]

ہمارے ہاں جنازہ کے بعد دعا کرنے والوں کو بدعتی کہا جاتا ہے، غور فرمائیں، چار تکبیروں کے بعد حضور ﷺ نے پانچویں تکبیر تو نہیں فرمائی اور حدیث پاک کے الفاظ ہیں: **فیقول ما شاء اللّٰہ ان یقول** "پھر فرماتے جو اللہ تعالیٰ چاہتا کہ فرمائیں" کیا یہ دعا نہیں تھی؟ اگر دعا نہیں تھی تو یہ حضرات بتائیں وہ ارشادات کیا تھے؟ مردہ سامنے پڑا ہے، اس کے لیے ایسے موقع پر دعا ہی ہو سکتی ہے۔ اللہ کریم نے دعا کا حکم مطلق دیا ہے ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ [المؤمن: ۵۹] "تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول فرمالوں گا" اب جس وقت آپ چاہیں دعا کر سکتے ہیں، سوائے ان مقامات کے جہاں دعا کی ممانعت ہے۔ اگر جنازہ کے بعد دعا کی کسی حدیث میں ممانعت آئی ہے تو ہم بے حد ممنون ہوں گے، اس کی نشان دہی فرمائیں۔

⑥ علامہ ابن ماجہ نے نجاشی کے بارے میں بخاری اور مسلم کی طرح پانچ اسناد سے احادیث روایت فرمائی ہے، ایک جملہ یوں ہے:

صَلُّوْا عَلٰی اَخٍ لَّکُمْ مَاتَ بِغَیْرِ اَرْضِکُمْ، قَالُوْا مَنْ هُوَ؟ قَالَ نَجَاشِیُّ --- [ابن ماجہ، صفحہ ۱۱۱، مرکز علم وادب کراچی]

"اپنے بھائی کا جنازہ پڑھو جو تمہاری سرزمین سے باہر ہے، صحابہ نے عرض کیا، وہ کون ہے؟ فرمایا، نجاشی ہے" ---

⑦ دو تین دنوں کے بعد حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے، پس فرمایا، ماعز بن مالک کے لیے دعائے مغفرت کرو، لوگ بولے، اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کو بخشے، راوی نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بے شک اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک امت پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لیے کافی ہو جائے۔ [مسلم، جلد ۲، صفحہ ۵۲، مطبوعہ مصر]

سید کل ﷺ تین دنوں کے بعد فاتحہ کے لیے تشریف لائے، سب کو دعائے مغفرت کا حکم دیا، سب نے دعائے مغفرت کی، اب بھی اگر جائز نہیں ہے تو پھر دعائے ہدایت ہی کی جا سکتی ہے۔ سید کائنات علیہ السلام کا جنت البقیع میں تشریف لے جانا، احد کے مزارات پر قدم رنجہ فرمانا، باجماعت صحابہ کے ساتھ قبروں پر عنایات فرمانا، یہ سب بھی فاتحہ خوانی کا ثبوت ہیں، قبروں کی زیارات کا ثبوت ہیں، امت بفضلہ تعالیٰ اپنے مقدس نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتی رہی ہے، کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔



انوار الحدیث

ایصالِ ثواب

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ اِنَّ اُمِّی افْتُلِتَتْ نَفْسَھَا وَ اُرَاھَا لَوْ تَکَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ اَفَاَتَصَدَّقُ عَنْھَا؟ قَالَ نَعَمْ تَصَدَّقْ عَنْھَا---[بخاری، جلد ۱، صفحہ ۳۸۶، سعید کمپنی]

''حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میری ماں اچانک (بولے بغیر) مرگئی ہے، میرا خیال ہے اگر بولتی تو صدقہ کرتی، تو اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اسے ثواب ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں، یعنی اسے ثواب ہوگا''---

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ کسی کی طرف سے صدقہ کیا جا سکتا ہے۔ حدیث میں چوں کہ کسی خاص شے کی تعیین نہیں ہے، عام ہے، لہٰذا جو چیز بھی صدقہ کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔

ایصالِ ثواب دراصل کسی تحفے کے ساتھ دعا ہی ہے، نبی رحمت ﷺ کو یوں حکم ہوا:

﴿وَ صَلِّ عَلَیْھِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ ط﴾---[التوبہ: ۱۰۳]

''آپ ان کے لیے دعا فرمائیں، یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے باعثِ سکون و اطمینان ہے''---

ہر وہ عمل جس سے قبر میں مرنے والے کو فائدہ پہنچے، شرعاً کارِ خیر اور جائز ہے۔ مرنے والا دارالجزاء میں ہے، وہ مصائب میں گھرا ہوا ہے، ایسے میں کسی بے کس کی مدد انسانیت کی معراج ہے۔ مسلمان تو حسبِ ارشادِ رسول ﷺ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ لہٰذا ہر قسم کے نیک اعمال کا ہدیہ وہ مرنے والوں کو پہنچاتا ہے، خواہ وہ قراءتِ قرآن ہو، نفلی نمازیں اور نفلی روزے ہوں، اس کی طرف سے حج ہو، مسجد، سرائے، مدرسہ، ہسپتال، کنواں، کوئی رفاہی ادارہ بنوا کر حضور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ثواب ان کے نامۂ اعمال میں جمع کرائیں، انھیں ثواب ملے گا، درجات بلند ہوں گے، مغفرت ہوگی۔ اس موضوع پر چند احادیث کے تراجم ہم ذکر کرنے والے ہیں، اصحابِ علم سے گزارش ہے کہ وہ ہدایہ، جلد ۱، صفحہ ۲۶۳، باب الحج عن الغیر، مطبوعہ سعید کمپنی کا مطالعہ فرمائیں، انھوں نے نفیس تحقیق سے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے۔

ایصالِ ثواب سے مراتب کی بلندی

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ برتر و اعلیٰ نیک بندے کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے، وہ بندہ عرض کرتا ہے، اے میرے پروردگار! یہ مرتبہ مجھے کیسے ملا؟ (کیوں کہ میں تو اپنا حق پا چکا ہوں) تو اللہ کریم فرماتا ہے، (تجھے یہ مرتبہ) تیرے لیے تیرے بیٹے کے استغفار سے ملا ہے۔ [مشکوٰۃ بحوالہ مسند امام احمد، جلد ۱، صفحہ ۲۰۶، سعید کمپنی کراچی / سنن ابن ماجہ، صفحہ ۲۶۸، مرکز علم و ادب کراچی]

غرق ہونے سے نجات

② ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مردہ قبر میں بالکل اسی طرح ہوتا ہے، جیسے مدد طلب کرنے والا غریق ہوتا ہے، وہ باپ، ماں، بھائی یا دوست کی دعا کا طلب گار ہوتا ہے تاکہ دعا اسے ملے، جب وہ دعا ملتی ہے تو وہ اسے دنیا اور اس کی سب چیزوں سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں پر پہاڑ جیسے (برکات) داخل فرما دیتا ہے اور یقیناً مردوں کے لیے زندوں کا تحفہ ان کے لیے استغفار ہے۔ [مشکوٰۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی، جلد ۱، صفحہ ۲۰۶]

غرق ہونے سے ایصالِ ثواب اور طلب مغفرت نے بچالیا، پہاڑوں جیسے برکت و رحمت بھرے بادل چھا گئے اور ڈوبنے والے کو زندوں کی مدد کام آ گئی، ہمیں مرنے والوں کے لیے استغفار پڑھ کر ایصالِ ثواب کی عادت کو اپنانا چاہیے۔ قرآنی شہادت ہے کہ استغفار سے عذاب ختم ہو جاتا ہے:

﴿وَ مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ○﴾---[الانفال:۳۳]

''اور اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دینے والا نہیں، جب کہ وہ مغفرت طلب کرنے والے ہیں''---

③ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ (سیدنا) سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کی عدم موجودگی میں فوت ہو گئیں (واپس آئے) تو عرض کیا، یا رسول اللہ! میری ماں میری عدم موجودگی میں وفات پا گئیں، اگر میں ان کی طرف سے کوئی شے صدقہ کر دوں تو انھیں نفع ہو گا، فرمایا، ہاں، انھوں نے عرض کیا، میں آپ ﷺ کو گواہ بنا رہا ہوں کہ میرا مخراف (پھل دار) احاطے والا باغ ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔

[بخاری، جلد۱، صفحہ ۳۸۷-۳۸۶، سعید کمپنی کراچی]

یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی والدین سے محبت کا نمونہ کہ پھل دار باغ صدقہ فرما رہے ہیں۔ ایصالِ ثواب کا کتنا حسین تحفہ ہے، حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مثالی مال زندوں کے لیے صدقہ فرما دیا۔[ایضاً، صفحہ ۳۸۷]

زندہ کو ایصالِ ثواب

④ وہ (خثعمی عورت) بولی، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر حج کا جو فریضہ ہے، اس نے میرے باپ کو بہت بوڑھا پایا ہے، وہ سواری پر سیدھا بیٹھ بھی نہیں سکتا، کیا اس کا حج ہو جائے گا، اگر میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا ہاں [بخاری، جلد۲، صفحہ ۹۲۰]

نیز بخاری، جلد۱، صفحہ ۲۳۱ میں سرکارِ کریم ﷺ نے ازواجِ مطہرات کی طرف سے قربانی فرمائی، تو پتہ چلا کہ زندہ کو بھی ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے، قاعدہ یہ ہوا کہ آپ کو جو ثواب ملتا ہے، وہ آپ جسے چاہیں، دے سکتے ہیں۔

رحمتِ مصطفوی

⑤ (سیدنا) جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، نبیِ رحمت ﷺ نے عید قربان کے دن دو سینگ دار، ملیح، خصی دنبے ذبح فرمائے، جب قبلہ رو انھیں لٹایا، تو یہ آیت پڑھی:

﴿اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ) حَنِیْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ○﴾---[الانعام:۷۹]

﴿اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا

شَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۝﴾---[الانعام:۱۶۳-۱۶۲]

اے اللہ! تیرا عطیہ ہے اور محمد (ﷺ) اور ان کی امت کی طرف سے تیرے لیے ہے، ’’بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر‘‘ پڑھ کر پھر ذبح فرما دیا۔

یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی (رحمہم اللہ) نے روایت کی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے خود ذبح فرمائے اور فرمایا:

بسم اللہ اللہ اکبر، اے اللہ! یہ میری طرف سے اور میری امت کے اس انسان کی طرف سے ہے، جو قربانی نہیں کرے گا‘‘---

[مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۲۸، سعید کمپنی/ بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۳۴-۸۳۳، حاشیہ نمبر ۱ پر پوری تفصیل ہے/ ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۳۰، سعید کمپنی کراچی/ ابن ماجہ، صفحہ ۲۳۲، مرکز علم وادب کراچی/ مسلم، جلد ۲، صفحہ ۱۵۶، قدیمی کتب خانہ کراچی/ ہدایہ، جلد ۱، صفحہ ۲۶۴-۲۶۳]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سیدِ کل ﷺ نے ساری امت کے ناداروں کی طرف سے قربانی فرمائی، یعنی ان لوگوں کی طرف سے بھی قربانی ہوگئی، جو ابھی ظاہری دنیا میں آئے بھی نہیں تھے۔

اس بات کا بھی خیال فرمائیں کہ دنبہ ایک ہے اور قربانی لاتعداد انسانوں کی طرف سے ہے، اگر ان پر اس دنبے کو تقسیم کریں، تو ایک ذرّہ بھی کسی کو نہیں ملے گا، پھر کیا کریں؟ یہ اللہ کریم کی خصوصی رحمت ہے کہ اسے تقسیم نہیں فرمایا جا رہا، بلکہ سب کو پورے دنبے کا ثواب مل رہا ہے۔ ہمارے فقہاء نے اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ جب کسی بھی عمل کا ایصالِ ثواب کرو تو ساری امتِ مصطفوی پر عام کردو، سب کو پورا ثواب ملے گا، اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا، یعنی قرآن کا ثواب ہدیہ کرنا ہے، تو پوری امت پر عام کریں، ہر ایک کو پورے قرآن کے پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

دامن ہی اپنا تنگ ہے، ان کے یہاں کمی نہیں

حضور علیہ السلام کی وصیت

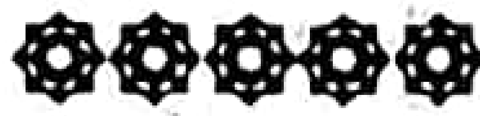
حنش رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے (سیدنا) علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الشریف کو دیکھا کہ وہ دو دنبے قربانی فرما رہے ہیں، میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، ایسا کیوں فرما رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے بھی قربانی کروں، تو میں آپ علیہ السلام کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ [ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۳۱-۳۰، سعید کمپنی]

آپ نے نبی ﷺ کی وصیت اور امام الاولیاء سیدنا حیدر رضی اللہ عنہ کا عمل ملاحظہ فرمالیا، فرمایئے!

Scanned with CamScanner

اس کے بعد بھی ایصال ثواب کا انکار ہو سکتا ہے؟ اب امت کے ہزار ہا لوگ ہر سال اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی طرف سے قربانی کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اگر اعلان ہو کہ جنھوں نے میرے محبوب ﷺ کی طرف سے قربانی دی ہے، وہ سامنے آجائیں، تو ہماری بگڑی بن جائے۔

جس سمت آ گئے ہیں ، روتے ہنسا دیے ہیں



وفیات

گزشتہ دنوں شارح بخاری حضرت علامہ سید محمد محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کی صاحبزادی---

پیر طریقت حضرت مولانا سید کرامت حسین شاہ صاحب، علی پور شریف کی اہلیہ محترمہ---

محترم ملک محمد محبوب الرسول قادری کے والد محترم---

مولانا حافظ محمد ظہور اللہ چشتی، ناظم یونین کونسل قینچی امر سدھو لاہور کی والدہ محترمہ---

محترم مقصود احمد اویسی کراچی کے ماموں حاجی محمد امین---

مولانا ابوالحلیم خوشی محمد نوری، چک نمبر 6.R/88 رتی ٹبی ساہیوال کی والدہ محترمہ---

مولانا احمد دین نوری، اڈا کوارٹر گگو منڈی کے بھائی---

ڈاکٹر علی اکبر نوری، ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال پاک پتن شریف کے سسر---

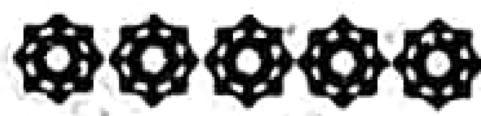
قاری خلیل احمد نوری، چورستہ میاں خاں کی والدہ محترمہ---اور

مولانا محمد جہاں گیر، فتح پور قصور کے چچا جان قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

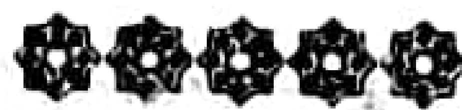
جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



اعزاز

پروفیسر علامہ محمد ضیاء المصطفیٰ قصوری، چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی لاہور کو ڈاکٹریٹ کا مقالہ مکمل کرنے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری جاری کر دی گئی ہے، ادارہ نور الحبیب بصیر پور ڈاکٹر صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہے---



ایصال ثواب

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

ایصال ثواب کا مسئلہ امت مسلمہ میں ہمیشہ مسلمہ رہا ہے۔ حضور پر نور ﷺ کے بعد اللہ کا دین جن نفوس قدسیہ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فقہائے عظام، مجتہدین، محدثین اور مفسرین سب ہی اس پر متفق رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایصال ثواب ہمیشہ جمہور کا معمول رہا ہے۔ ایصال ثواب کا مطلب یہ ہے کہ زندہ لوگوں کے دعا و استغفار اور صدقات و خیرات کا ثواب دوسری دنیا میں مرحومین کو پہنچتا ہے اور فوت ہونے کے بعد بھی ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

ایصال ثواب کا ثبوت قرآن حکیم میں

۱ قرآن حکیم (پارہ ۱۵، رکوع ۳) میں مسلمان اولاد کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے اس طرح دعا کیا کریں:

"اے میرے رب! میرے والدین پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا"---

۲ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قرآن حکیم (پارہ ۱۳، رکوع ۱۸) میں موجود ہے، جو ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں:

"اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو بخش دینا، جس دن کہ حساب قائم ہو"---

تمام مفسرین کرام اس پر متفق ہیں کہ قرآن حکیم کی اس دعا میں تمام اہل ایمان، یعنی زندہ اور فوت شدہ دونوں شامل ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ فوت شدہ والدین اور مومنین کے لیے

دعائے مغفرت کرنا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے۔

۳ سورۂ حشر (رکوع ۱۶) کی یہ آیت مبارکہ بھی ملاحظہ ہو:

''اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ہم سے آگے گئے، ایمان کے ساتھ''---

ظاہر ہے کہ ان دعاؤں سے فوت شدہ مسلمان مرداور عورتوں کو ضرور فائدہ پہنچتا ہے، جبھی تو تاکید کے ساتھ قرآن حکیم میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ مرحومین کے لیے مغفرت کی دعا مانگو۔ ایسی دعائیں قرآن مجید میں کئی مقامات پر موجود ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں (مرداور عورتوں) پر انتہائی مہربان ہے اور اس کی بارگاہ میں مومنین کی مغفرت کی دعائیں کرنا، اس کے نزدیک نہایت محمود ومطلوب اور پسندیدہ عمل ہے۔

ایصالِ ثواب احادیث مبارکہ میں

۱ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آدمی جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کے سارے سلسلے منقطع ہو جاتے ہیں، بجز ان تین سلسلوں کے، ایک وہ صدقۂ جاریہ جو وہ اپنی حیات میں کر گیا، دوسرے علم کا کوئی ایسا سلسلہ جس سے لوگوں کو فیض پہنچتا رہے اور تیسرے اولاد صالح، جو اس کے لیے دعائے خیر کرتی رہے''---[مسلم، جلد۲، صفحہ ۴۱]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی کے اپنے اعمال کے علاوہ مرنے کے بعد اسے مزید دو چیزوں سے بھی نفع حاصل ہوتا رہے گا۔ پہلی یہ کہ اس نے کوئی مدرسہ، سکول، کالج، کنواں یا تالاب وغیرہ بنوایا، جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہے، تو جب تک یہ سلسلہ باقی و جاری رہے گا، اسے ثواب حاصل ہوتا رہے گا اور دوسری چیز اولاد صالح ہے، جو اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے لیے دعائے خیر کرتی رہے۔ ان کے علاوہ احایث مبارکہ میں صدقہ، خیرات اور قربانی وغیرہ کا بھی ذکر موجود ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نیک اعمال کی بدولت بھی فوت شدہ اہل ایمان (عورتوں اور مردوں) کو ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔

۲ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

''ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ میرے ماں باپ کا انتقال ہوگیا ہے اور اپنے ترکہ میں انہوں نے مال چھوڑا ہے اور کوئی وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی جانب سے کچھ صدقہ وخیرات کردوں

Scanned with CamScanner

تو کیا میرا یہ صدقہ وخیرات ان (مرحومین) کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا؟ (یعنی اس نیک عمل کا ثواب انہیں پہنچے گا) یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ (یعنی یہ تمہارے والدین کے لیے نفع بخش ہوگا)"---

اسی مفہوم کی اور بھی کئی احادیث مبارکہ ہیں، جن میں مختلف صحابہ نے ایصال ثواب کا یہ مسئلہ حضور ﷺ سے پوچھا اور آپ نے سب کو یہی جواب دیا کہ فوت ہونے والوں کی اولاد کی طرف سے جو صدقہ وخیرات ان کے نام پر کیا جائے گا، وہ ان مرحومین کو پہنچتا رہے گا۔

۳ مشکوۃ شریف میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، ان کی طرف سے کون سا صدقہ زیادہ بہتر اور افضل ہوگا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الماء---"اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے پانی کا انتظام کرنا"۔

چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کنواں تیار کروا کر اپنی والدہ کی طرف سے اس کو وقف عام کردیا۔

۴ عمدۃ القاری شرح بخاری علامہ عینی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ میں نے (یعنی حضرت انس نے) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لیے جو دعائیں کرتے ہیں اور جو صدقہ وخیرات یا حج ان کی جانب سے کرتے ہیں، تو کیا ان کو پہنچ جاتا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں پہنچتا ہے اور جس طرح تم لوگوں کو کوئی ہدیہ پا کر خوشی ہوتی حاصل ہوتی ہے، اسی طرح تمہارے ان تحفوں (ایصال ثواب) سے تمہارے مردوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے"---

۵ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میری امت، امت مرحومہ ہے۔ وہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور جب قبروں سے نکلے گی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے استغفار کی وجہ سے ان کو گناہوں سے پاک صاف کردے گا"---[بحوالہ شرح الصدور، صفحہ ۱۲۸]

اس حدیث پاک سے ایصال ثواب کی اہمیت وضرورت اور اس کے فوائد بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔ آیئے! اس بارے میں خود حضور نبی کریم ﷺ کا اپنا طریقہ مبارکہ بھی دیکھتے ہیں۔

حضور ﷺ کا عمل مبارک

صحیح مسلم شریف میں ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے

Scanned with CamScanner

کہ حضور ﷺ نے ایک بار عید الاضحیٰ کے موقع پر ایک صحت منداور موٹے تازے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور اس کو ذبح کرتے وقت فرمایا:

''اے اللہ اس کو قبول فرما، میری طرف سے، میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے''---

گویا حضور ﷺ نے اپنی امت کے تمام افراد کے لیے ایصال ثواب کی دعا فرمائی، یعنی قربانی کا ثواب اپنی تمام امت کو بخشا۔

سنن ابوداؤداور جامع ترمذی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ آپ (ﷺ) کی طرف سے قربانی کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا معمول تھا کہ وہ عید قربان کے موقع پر ایک مینڈھے کی قربانی حضور ﷺ کی طرف سے کیا کرتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ امت کے دوسرے افراد بھی جس مرحوم کے لیے چاہیں، قربانی کرسکتے ہیں اور بالخصوص حضور ﷺ کے لیے بھی قربانی کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے (بربنائے محبت) حضور ﷺ کے لیے بہت سے اعمال خیر کیے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف سے متعدد عمرے کیے۔[فتح الملہم ،جلد۳،صفحہ۳۹]

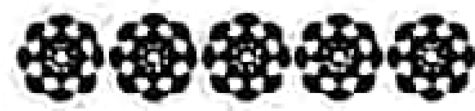
اگر ہم غور کریں تو ایصال ثواب کے مسئلے کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ مرنے والے کے ساتھ پس ماندگان کا قلبی تعلق ہوتا ہے، ان کے درمیان برسوں نہایت قریبی روابط قائم رہ چکے ہوتے ہیں، پس ماندگان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے عزیز، دوست، رشتہ دار کے ساتھ (جس کا اب اس دنیا سے تعلق ختم ہو چکا ہے) آخرت میں اچھا سلوک ہو، اس کے ساتھ مغفرت کا برتاؤ ہو، وہ قبر اور حشر کے عذاب سے محفوظ و مامون رہے، اسی طرح ہر اولاد کی آرزو ہوتی ہے کہ اس کے والدین دوسری دنیا میں بھی آسودہ رہیں اور رحیم و کریم خالق کی رحمت سے ہم کنار رہیں، اس فطری جذبے کے تحت وہ مرحومین کی مغفرت کے لیے دل سے دعائیں کرتے ہیں اور ان کے ایصال ثواب کے لیے سنت نبوی کے مطابق مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں اور یہ اس حلیم و کریم اور غفور و رحیم کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے عاجز و درماندہ بندوں کی دعائیں اور التجائیں سنتا ہے، ان کی ڈھارس بندھاتا ہے، انہیں صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرماتا ہے اور دوسری دنیا میں پہنچ جانے والے مرحومین کو بھی اپنے دامن رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے، ان کے قصور معاف کردیتا ہے، بلکہ وہ تو یہاں تک رحم کرنے والا اور کرم فرمانے والا ہے کہ خود اپنے بندوں کو سکھاتا ہے کہ وہ ہر نماز میں مرحومین کے لیے دعا کیا کریں:

﴿ربنا اغفرلی و لوالدی و للمؤمنین یوم یقوم الحساب ۰﴾---

''اے ہمارے پالنے والے! جب حساب کا دن قائم ہو (تو شان کریمی سے) مجھے بخش دینا، میرے (پیارے) والدین کو بخش دینا، اور تمام مسلمانوں (مردوں اور عورتوں) کو بخش دینا''---

حضور ﷺ کی سنت مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق اور جمہور کے مسلسل اعمال خیر کی وجہ سے حضرت امام عبداللہ بن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایصال ثواب کو دین کا متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اہل اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ان گزارشات سے ثابت ہوا کہ مالی عبادات، صدقات و خیرات اور قربانی و عمرہ وغیرہ اگر فوت شدہ مؤمنین اور مؤمنات کی طرف سے کی جائیں، تو یہ شرعاً درست ہیں، ان سے مرحومین کو ثواب پہنچتا رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ مبارکہ تھا اور اسی کی آپ ﷺ نے اپنی پیاری امت کو تلقین فرمائی۔



وفیات

گزشتہ دنوں وابستگان و محبین دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:

مولانا صاحب زادہ محمد فیض المجتبیٰ یزدانی نوری کی زوجہ محترمہ----

خطیب پاکستان مولانا سید محمد محفوظ الحق شاہ، بورے والا کی والدہ محترمہ---

مولانا صفدر حسین صاحب، چوک سکندر کے والد محترم---

میاں محمد رفیق نوری ولد مولانا فضل حق، چک D/70، اڈا جعفر شاہ، پاک پتن شریف کی اہلیہ محترمہ---

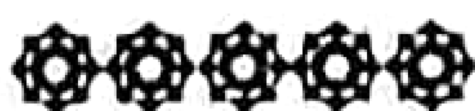
حاجی محمد یار، کریانہ مرچنٹ، بصیر پور کی ہمشیر---اور

میاں غلام رسول کھچر (اٹارنی جنرل، چونیاں) بصیر پور کے والد گرامی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ اجمعین



سفیان ثوری کا خط

عبدالمالک مجاہد

مسلم علماء کے دستور میں یہ بات شامل تھی کہ وہ کبھی بھی کسی حکمران کا دروازہ اپنی ذاتی غرض کے پیشِ نظر نہیں کھٹکھٹاتے تھے، البتہ حکمرانوں کو آخرت کی یاددہانی کروانے کے لیے ضرور ان کے دروازوں پر دستک دیا کرتے تھے۔ بصورتِ دیگر ان مظلوم و مقہور اور کمزور لوگوں کی حاجات و ضروریات حکمرانوں کی خدمت میں بلا جھجک پیش کرتے تھے، جن کی رسائی وہاں تک نہیں ہو پاتی تھی۔ بہت سے علماء ایسے بھی گزرے ہیں، جنھوں نے خود کو گھر اور مسجد کے درمیان محصور کرلیا اور وعظ و نصیحت کا دائرہ عوام الناس تک ہی محدود رہنے دیا، کیوں کہ حکمرانوں کی بے راہ روی اور دین سے ان کی بیزاری نے انھیں قبولِ حق سے کوسوں دور کر دیا تھا اور اللہ و رسول (ﷻ و ﷺ) کی معرفت سے ان کے اذہان و قلوب یک سر خالی تھے، جس کے سبب ان کے درباروں میں جہاں ناحق و ناجائز کاموں کا بول بالا ہوتا تھا، معصیت و نافرمانی کے بازار آئے روز گرم ہوا کرتے تھے، وہاں قبولیتِ حق کی بجائے انکارِ حق کا عنصر بدرجۂ اتم موجود تھا۔

انھی علماء میں محدث و فقیہ اور بڑے بزرگ عالم دین امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی

Scanned with CamScanner

شمار ہوتا ہے، جن کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے:

لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ اَعْلَمَ بِالْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ مِنْ سُفْیَانَ---

''حلال وحرام کے متعلق سفیان ثوری سے زیادہ کسی کو علم نہیں''---

سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانۂ حکومت میں تھے، جب ہارون رشید کو زمام حکومت ملی اور وہ حکمران بنا تو بہت سے علماء اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس کو مبارک باد پیش کرنے کے لیے گئے لیکن امام سفیان ثوری نے خود کو اس سے محفوظ رکھا۔ حالاں کہ ہارون اور ان کے درمیان پہلے سے جان پہچان اور ملاقات تھی۔ خلیفہ ہارون رشید نے اپنی مجلس میں سفیان ثوری کو نہ دیکھا تو اس پر بڑا شاق گزرا اور اسے کچھ ناگواری سی محسوس ہوئی۔ چناں چہ اس نے امام سفیان ثوری کے نام ایک خط قلم بند کیا، جس کا مضمون کچھ یوں تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر المومنین ہارون رشید کی جانب سے اسلامی بھائی سفیان ثوری کے نام!

امابعد: میرے بھائی! آپ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی بنایا ہے۔ اسلام نے اخوت و بھائی چارے کو بہت سراہا ہے، اس لیے میں آپ کو اللہ کے لیے بھائی بناتا ہوں۔ میں اس اخوت و بھائی چارے پر قدغن نہیں لگنے دوں گا اور نہ ہی کبھی آپ کی محبت و الفت کو منقطع کروں گا، میں اپنے دل میں آپ کے لیے افضل ترین گوشہ رکھتا ہوں، مگر مجھے اس بات کا قدرے افسوس ضرور ہے کہ جب مجھے خلعت خلافت سے نوازا گیا تو میرے اور آپ کے اسلامی بھائیوں (علماء) نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھے حکومت کی مبارک باد دی، جب کہ اس دن میری نگاہ آپ کی دید سے محروم رہی۔ میں نے ان علماء وفضلاء کے لیے عطیات کا دروازہ کھول دیا، اس سے میرے دل کو سکون ملا اور میری آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوئی، میں نے تاخیر سے آپ کی تشریف آوری کی گنجائش رکھی ہوئی ہے، جو میرے لیے صد خوشیوں کا باعث ہے۔ میں نے اپنی طرف سے آپ کی خدمت میں یہ خط لکھا ہے تا کہ آپ کو میری محبت اور جذبۂ شوق کا علم ہو جائے۔

ابوعبداللہ! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک مسلمان کی اللہ کے لیے ملاقات اور

اس سے صلہ رحمی کرنے کی کس قدر فضیلت آئی ہے، لہٰذا جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو جلد از جلد میری ملاقات کرنے کی زحمت گوارا کریں۔

خط لکھ کر ہارون رشید نے عباد نامی ایک درباری ملازم کے حوالے کیا کہ جتنی جلدی ہو سکے اسے سفیان ثوری کی خدمت میں پہنچایا جائے۔

عباد کا بیان ہے کہ میں ہارون رشید کا خط لے کر کوفہ روانہ ہو گیا، سفیان ثوری مسجد میں تشریف فرما تھے، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو فوراً یہ پڑھتے ہوئے کھڑے ہو گئے:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ---

میں گھوڑے سے مسجد کے دروازے پر اترا، سفیان ثوری مجھے دیکھ کر نماز پڑھنے لگے، حالاں کہ وہ کسی نماز کا وقت نہیں تھا۔ میں مسجد میں داخل ہوا اور سلام کیا مگر ان کے شاگردوں میں سے کسی نے بھی میری طرف اپنا سر نہیں اٹھایا۔ میں چپ چاپ کھڑا ہو گیا، کسی نے مجھے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا، میرے اوپر ان لوگوں کی طرف سے دہشت سوار ہو گئی، چناں چہ میں نے ہارون رشید کا خط سفیان ثوری کی طرف پھینک دیا۔ جب سفیان ثوری نے خط دیکھا تو کانپ اٹھے اور اس سے الگ ہٹ گئے، جیسے وہ خط نہیں بلکہ کوئی سانپ ہو جو محراب سے کود پڑا ہو۔ سفیان ثوری نے رکوع اور سجدہ مکمل کر کے سلام پھیرا اور آستین کے اندر اپنا ہاتھ داخل کر کے اس خط کو اٹھایا، جب کہ دوسرا ہاتھ ان کے جگر پر تھا۔ خط کو جلدی سے اپنے پیچھے والے شاگرد کے پاس پھینکا اور فرمایا:

''اس کو کھول کر پڑھو، میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میرا ہاتھ کسی ایسی چیز کو چھوئے جسے کسی ظالم کا ہاتھ لگا ہو''---

ایک شاگرد نے خط کھولا اور اس کا بھی حال یہ تھا کہ وہ خط کھولتے وقت کانپ رہا تھا، جیسے خط کے اندر سانپ رکھا ہو۔ پھر اس نے خط پڑھنا شروع کیا، سفیان ثوری خط کی تحریر سن کر تعجب خیز لہجہ میں مسکان بھر رہے تھے۔ جب شاگرد نے پورا خط پڑھ کر سنا دیا تو فرمایا: خط کی پشت پر اس کا جواب لکھو۔ اتنے میں کسی نے کہا: ابو عبد اللہ! یہ خط خلیفہ کا ہے، اس لیے کسی صاف ستھرے کاغذ پر جواب تحریر کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ سفیان ثوری نے کہا:

''نہیں، اس ظالم کے خط کا جواب اسی کے خط کی پشت پر لکھو۔ اگر یہ کاغذ حلال کمائی کا ہوگا، تو اس کی جزا پائے گا اور اگر حرام کمائی کا ہوگا، تو اسی کے ساتھ وہ

جلے گا، نیز ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہ سکتی، جس کو کسی ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہو، کیوں کہ اس سے ہمارے دین میں نقص آئے گا"---

پوچھا گیا: "ہم اس کے جواب میں کیا لکھیں؟"---

سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے جواب میں یہ تحریر لکھوائی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مردہ بندہ سفیان کی طرف سے امید وبیم میں مغرور ہارون رشید کے نام، جو ایمان کی حلاوت اور قراءت قرآن سے محروم ہے۔

اما بعد:

میں تمہارے خط کا جواب لکھ رہا ہوں کہ میں علی الاعلان تمہاری محبت والفت کی رسی اپنی گردن سے اتار پھینک رہا ہوں اور تمہاری اخوت و بھائی چارگی کا ڈھونگ تمھیں واپس کر رہا ہوں۔ تم نے جو بلاحق مسلمانوں کے بیت المال میں تصرف کیا ہے اور دکھلاوے کے لیے اپنی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو انعام وعطیہ سے نوازا ہے، یہ سراسر ناجائز ہے، جس کے بارے میں تم نے میرے پاس تحریر بھیج کر مجھے اپنے خلاف گواہ بنالیا ہے۔ میں خود کو اور تمہارے خط کے سامعین کو تمہارے خلاف گواہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہوں اور کل آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے خلاف گواہی قائم ہوگی، جہاں عدل وانصاف کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔

اے ہارون! تم نے مسلمانوں کی رضا مندی کے بغیر ان کے بیت المال میں ناحق تصرف کیا ہے، کیا تمہارے اس فعل سے وہ لوگ راضی ہیں، جن کی تالیفِ قلب کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیت المال سے ان کا حصہ مقرر کیا ہے؟ کیا زکوٰۃ یا جزیے کی وصولی پر مقرر کارندے تمہارے اس کام سے خوش ہیں؟ کیا مجاہدینِ اسلام، جو اس مال کے زیادہ مستحق ہیں، تمہارے اس فعل سے راضی ہیں؟ مسافر کا حق مار کر جو تم نے بیت المال میں بے جا تصرف کیا ہے، کیا یہ مسافر تمہارے اس تصرف سے خوش ہیں؟ یا کوئی حاملِ قرآن یا عالمِ دین تمہارے اس فعل کو سراہ سکتا ہے؟ تمہارے اس فعل کو یتیموں نے سراہا یا تمھیں اس بات کی بیواؤں نے اجازت دی کہ ان کا حقِ مال جہاں چاہو بے دریغ استعمال کرو؟

یا تمہارے اس کام سے تمہاری رعیت خوش ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

ہارون! تم نے یہ جو بے جا تصرف کیا ہے، تو اب کمر کس کر تیار ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کا جواب دینے کے لیے تیاری کر لو۔ اور ہاں جو بلا آنے والی ہے، اس کی رکاوٹ کا سامان کر لو۔ یقین جانو کہ ایک ایسی ہستی کے روبرو تمھیں پیش ہونا ہے، جو عدل وانصاف کرنے والی ہے، اس کے پاس رتی بھر بھی حیلہ بہانہ نہیں چل سکتا۔

ہارون! جب تم نے علم وزہد، قراءتِ قرآن اور بزرگوں کی مجالس سے خود کو سبک دوش کر لیا ہے اور اس کے برعکس خود کو ظالم شمار کر کے ظالموں کا سرغنہ بنا لیا ہے، تو پھر تم اللہ کے دربار میں اپنی بازپرس کے لیے اچھی طرح تیاری کر لو اور اللہ کا خوف کھاؤ۔

ہارون! سریر پر بیٹھ کر حریر کے لباس میں مزے کر رہے ہو اور اپنے دروازے پر پردہ حائل کر رکھا ہے۔ علاوہ ازیں تم نے اپنے ظالم فوجیوں کو اپنے دروازے کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی متعین کر دیا ہے، جو لوگوں پر بے جا ظلم ڈھاتے ہیں، انصاف ان کے اردگرد بھی نہیں پھٹک پاتا۔ شراب نوشی تمہارے فوجیوں کا شیوہ ہے، مگر عوام الناس میں سے اگر کوئی شراب پی لے تو اس پر کوڑوں کی بارش کرتے ہیں، خود زناکاری میں ملوث ہیں مگر رعیت میں سے کوئی یہ کام کرتا ہوا پکڑا گیا تو اس پر حد جاری کرتے ہیں، خود تو چوری کا ارتکاب کرتے ہیں، اگر رعایا میں سے کوئی یہ جرم کر لیتا ہے تو فوراً اس کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں، خود تو قتل وغارت گری کرتے ہیں مگر جب عام آدمی قتل کے مقدمے میں ملوث ہوتا ہے تو اس پر قصاص نافذ کرتے ہیں۔ کیا یہ شرعی قوانین عوام الناس پر نافذ ہونے سے پہلے تم پر نافذ نہیں ہونے چاہییں؟ کیا تمہارے لیے کوئی خصوصی قانون ہے اور عوام کے لیے کچھ اور؟ یا تم جرائم وفواحش کے ارتکاب سے مستثنیٰ ہو کہ جہاں چاہتے ہو بلا روک ٹوک دندناتے پھرتے ہو اور عوام الناس کو جب چاہتے ہو مجرم ٹھہرا کر سزا دے ڈالتے ہو۔

ہارون! ذرا غور کر، سوجھ بوجھ سے کام لو، ہوش کے ناخن لو، کل قیامت کے روز جب اللہ عزوجل کی طرف سے اعلان ہوگا کہ ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اکٹھا کرو، تو پھر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب تم اللہ تعالیٰ کے دربار میں بحیثیت مجرم

کھڑے ہو گے۔

ہارون! میں سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنی گردن میں مصیبت کو پال رکھا ہے۔ تم اپنی نیکیاں دوسروں کی میزان میں رکھ رہے ہو اور دوسروں کی بدیاں اپنی میزان میں ڈال رہے ہو۔ گویا کہ برائی پر برائی، تاریکی پر تاریکی۔

ہارون! رعایا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف کھاؤ اور محمد ﷺ کے فرامین کو آپ ﷺ کی امت میں جاری رکھو۔ یقین جانو کہ جس حکومت وسطوت کے نشے میں تم چور ہو، وہ کسی دوسرے کو ضرور منتقل ہونے والی ہے اور اسی طرح اس دنیا کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی کوئی اس کا مالک بن جاتا ہے اور کبھی یہ کسی اور کی لونڈی بن جاتی ہے۔ گویا بے وفاؤں کے جھرمٹ میں تم وفاداری کا راگ الاپ رہے ہو، جو موقع ملتے ہی دوسروں کی آغوش کی زینت بنتے نہیں شرماتے۔ اس عہدے کو بہت سارے لوگوں نے عدل وانصاف کے ساتھ سنبھالا اور وہ یقیناً ان کے حق میں نفع بخش ثابت ہوا، لیکن بہت سارے لوگوں نے اس کا ناجائز استعمال کیا، جس کے سبب ان کی دنیا وآخرت برباد ہو گئی۔

اور ہاں اے ہارون! تم اب مجھے ہرگز ہرگز کوئی خط نہ لکھنا، کیوں کہ میں اب سے اس کے بعد تمہارے خط کا جواب نہیں دوں گا۔

والسلام

ہارون رشید کے پیغامبر عباد کا بیان ہے کہ سفیان ثوری نے خط بغیر تہ کیے ہوئے اور بلا مہر کے میری طرف پھینک دیا۔ میں نے خط لیا اور کوفہ کے بازار میں آیا۔ اس وقت نصیحت وموعظت سے میرا دل لبریز تھا۔ چناں چہ میں نے بآوازِ بلند پکارا:

"کوفہ والو! تم میں کون اس آدمی کو خریدے گا، جو معصیت وگناہ کے ڈر سے اللہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا ہے"---

یہ آواز سنتے ہی بہت سارے لوگ درہم ودینار لے کر میری طرف آ گئے۔ میں نے ان سے کہا:

"مجھے مال وزر کی ضرورت نہیں، البتہ مجھے کوئی معمولی سا کرتا اور قسطوانی چادر دے دو، کیوں کہ میں اسی ضرورت کے لیے آیا ہوں"---

ایک آدمی نے میری خواہش پوری کر دی، پھر میں نے اپنے کپڑے اور جوتے وغیرہ اتار دیے اور ہارون رشید کے دروازے پر پیادہ پا حاضر ہوا۔ دروازے پر موجود دربان میرا مذاق اڑانے لگے، پھر مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ ہارون رشید کی نگاہ جب میری حالتِ زار پر پڑی، تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھ کر اپنا سر اور چہرہ پیٹنے لگا اور کہنے لگا:

"میرے بھیجے ہوئے پیغامبر نے نفع بخش سودا کر لیا اور میں خائب و خاسر ہوا۔ دنیا کی حکومت و سطوت مجھے کیا کچھ فائدہ دے سکتی ہے؟ یہ تو جلد ہی مجھ سے چھن جانے والی ہے"---

پھر میں نے اس کی طرف سفیان ثوری علیہ الرحمہ کا خط ڈال دیا، جیسے انھوں نے دیا تھا۔ ہارون خط پڑھنے لگا، آنسو اس کے چہرے پر گر رہے تھے اور وہ سسکیاں بھر رہا تھا۔ اس کے ہم نشینوں میں سے کسی نے کہا:

"امیر المومنین! سفیان کی یہ جرأت کہ وہ آپ کی شان میں زبان درازی کرے، آپ کسی کو بھیجیں کہ وہ سفیان کو لوہے کی زنجیر میں جکڑ کر گھسیٹ لائے اور آپ اسے قید خانے میں ڈال کر بھیانک و عبرت ناک سزا دیں، جو دوسروں کے لیے قابلِ عبرت ہو"---

ہاں! خلفاء اور حکام کے ایسے ہی کرائے کے ٹٹو اور شر پسند مشیر ہوتے ہیں، جو اپنا الو سیدھا کرنے اور اپنی چاپلوسی کی دال گلانے کے لیے انھیں غلط سلط مشورے دے کر خود بھی عذابِ الٰہی کا مستحق بنتے ہیں اور انھیں بھی جہنم کے عمیق گڑھوں میں گراتے ہیں۔ ہر دور میں ایسے شر انگیز لوگوں کی تعداد بکثرت رہی ہے اور اب یہی بیماری چھوٹی بڑی کمپنیوں بلکہ دینی اداروں میں بھی عام ہو چکی ہے، جہاں سے عدل و انصاف کا جنازہ اٹھ چکا ہے اور حق کی آواز آخری سانس لے رہی ہے۔ بہت ہی کم مالکان و ذمہ داران ایسے ہیں، جو حقیقت پسندانہ اقدام کرنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ غرض جب ہارون رشید کو اس شر انگیز مشیر نے سفیان ثوری کے خلاف مشورہ دیا اور ہارون رشید کے جذبات کو بھڑکانا چاہا تو ہارون رشید نے اس کی بات کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا اور اس کی چاپلوسی کے زہریلے خنجر کی طرف قطعی دھیان نہیں دیا، کیوں کہ سفیان ثوری کی نصیحت و موعظت اس کے دل و دماغ کو مسحور کر چکی تھی، چناں چہ وہ گویا ہوا:

اُتْرُكُوْا سُفْيَانَ وَ شَانَهٗ يَا عَبِيْدَ الدُّنْيَا الْمَغْرُوْرُ مَنْ غَرَرْتُمُوْهُ وَ الشَّقِيُّ وَاللّٰهِ مَنْ جَالَسْتُمُوْهُ اِنَّ سُفْيَانَ اُمَّةٌ وَاحِدَةٌ---

Scanned with CamScanner

''دنیا کے غلامو! سفیان کو ان کی حالت پر ہی چھوڑ دو (ان کی شان میں گستاخی آمیز جملے نہ کہو) مغرور و متکبر تو درحقیقت وہ ہے، جس (کی الٹی سیدھی تعریف کر کے اس) کو تم لوگوں نے تکبر و غرور کا لبادہ پہنا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! درحقیقت شقی و بد بخت وہ ہے، جس کی تم لوگوں نے مجالست اختیار کی ہوئی ہے۔ سفیان! تو اکیلے ہی ایک امت ہیں امت!''---

پھر اس کے بعد ہارون رشید کا یہ حال ہو گیا کہ ہر نماز کے بعد سفیان ثوریؒ کا خط پڑھتا اور سسکیاں بھر بھر کر روتا اور یہ سلسلہ اس کی وفات تک جاری رہا۔

سفیان ثوری کے دو ٹوک الفاظ پر مشتمل جواب کا یہ فائدہ ہوا کہ خلیفہ ہارون رشید کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا۔ اب اس نے اپنی زندگی کا معمول بنا لیا کہ وہ ایک سال حج کے مبارک سفر پر جائے گا اور دوسرے سال مجاہدین کے ساتھ سرحد پر جہاد کرنے کے لیے نکلے گا۔ چناں چہ وہ اسی اصول پر عمل پیرا رہا، یہاں تک کہ اس کے دور میں مملکتِ اسلامیہ کا رقبہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ سورج اس کی سرحد سے آگے تجاوز نہیں کرتا تھا اور نہ ہی بجلی کی چمک آگے بڑھ پاتی تھی۔ جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے:

وَ اَصْبَحَتِ الدَّوْلَةُ الْاِسْلَامِیَّةُ فِیْ عَهْدِهٖ لَا تَغِیْبُ عَنْهَا الشَّمْسُ وَ لَا یَتَخَطَّاهَا الْبَرْقُ---

ہاں! یہی وہ خلیفہ ہے، جس کی سلطنت کا رقبہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ بادل کی گڑگڑاہٹ سن کر بغداد میں مسکراتے ہوئے کہا تھا:

اَیْنَمَا تَذْعَبِیْ یَأْتِیْنِیْ خَرَاجُکِ---

''جہاں بھی جا کر برسو، تمہارا ٹیکس آخر کار میرے پاس ہی آئے گا''---

اے اللہ! ہمارے حکام کو بہترین مشیر عطا فرما اور ان کی سمجھ بوجھ کو اسلامی سوچ و فکر میں تبدیل کر دے۔ آمین

